صرف احمدی نوجوانوں کے لئے

خالد

مدیر

اسفند یار منیب

ستمبر 2001
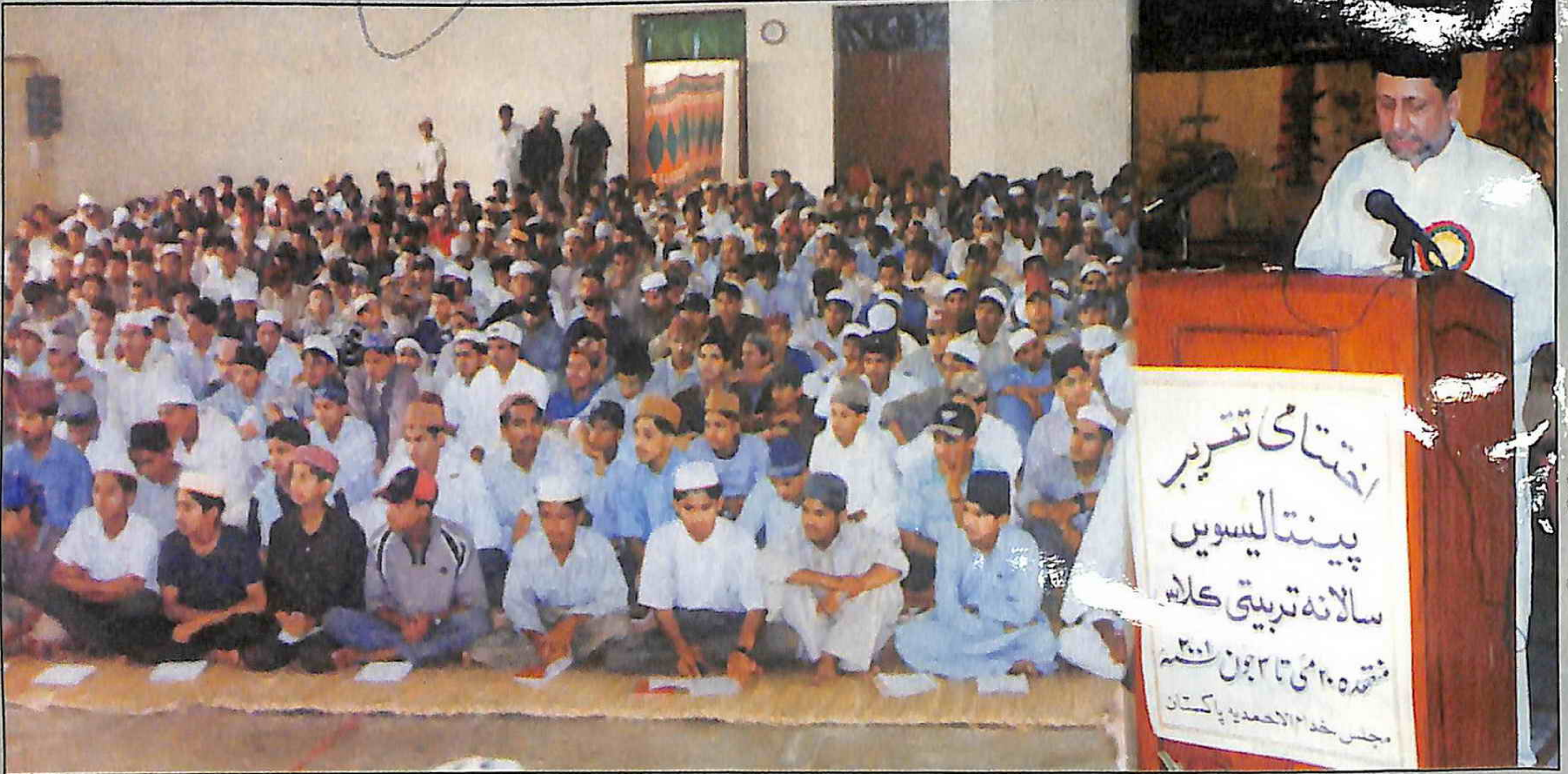
مکرم ومحترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی پینتالیسویں سالانہ تربیتی کلاس منعقدہ 20 مئی تا 3 جون 2001 سے اختتامی خطاب فرمارہے ہیں۔

مہمان خصوصی مکرم سید عبدالحیٔ شاہ صاحب ناظر اشاعت تربیتی کلاس کے افتتاح کے موقع پر، آپ کے دائیں طرف مکرم سید محمود احمد شاہ صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان اور بائیں طرف مکرم حافظ خالد افتخار صاحب ناظم اعلیٰ تربیتی کلاس تشریف فرما ہیں۔

نہایت عبادت گزار، مستجاب الدعوات اور بزرگ خاتون

انا للہ و انا الیہ راجعون

محترمہ صاحبزادی امۃ الحکیم صاحبہ رحلت فرما گئیں

احباب جماعت کو نہایت دکھ، رنج اور افسوس سے یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پوتی، حضرت مصلح موعود و حضرت سیدہ اُمّ طاہر صاحبہ کی بیٹی اور ہمارے محبوب امام حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہمشیرہ محترمہ صاحبزادی امۃ الحکیم بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم سید داؤد مظفر شاہ صاحب 18 جولائی 2001ء کو دوپہر تقریباً بارہ بجے فضل عمر ہسپتال ربوہ میں وفات پا گئیں۔ آپ کی عمر 75 سال تھی۔ محترمہ صاحبزادی امۃ الحکیم بیگم صاحبہ 26 مارچ 1926ء کو قادیان میں پیدا ہوئیں۔ آپ نے ساڑھے سترہ سال کی عمر میں 29 اکتوبر 1943ء کو نظام وصیت میں شمولیت کی۔

حضرت مصلح موعود کی نو بیٹیوں میں سے آپ پہلی بیٹی ہیں جن کا وصال ہوا ہے۔ آپ 1997ء کے آخر میں برین ہیمبرج کی وجہ سے شدید علیل ہوگئیں وقتاً فوقتاً کچھ طبیعت سنبھلتی تھی مگر پھر بیماری شدت اختیار کر لیتی تھی۔ موجودہ بیماری کی شدت میں مورخہ 27 جون کو آپ کو فضل عمر ہسپتال میں داخل کروایا گیا جہاں آپ کی طبیعت سنبھل نہیں سکی اور مورخہ 18 جولائی 2001ء کو آپ اپنے مولا کے حضور حاضر ہوگئیں۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

ربوہ اور بیرون ربوہ کی مستورات نے کثرت سے اپنی بزرگ مرحومہ کا آخری دیدار کیا اور مرحومہ کے اعزا سے تعزیت کا اظہار کیا۔ مرحومہ کی تمام اولاد کو ان کے آخری دیدار کی توفیق ملی سوائے ایک بیٹی محترمہ صاحبزادی امۃ الرؤف صاحبہ کے جو اپنے واقفِ زندگی خاوند ڈاکٹر تاثیر مجتبیٰ صاحب کے ساتھ غانا میں ہیں۔ تاہم ان کے دونوں بچے جو پاکستان میں پڑھ رہے ہیں اس موقع پر موجود تھے۔

19 جولائی 2001ء کو بعد نماز عصر بیت المبارک میں محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد جنازہ بہشتی مقبرہ لے جایا گیا اور تدفین چار دیواری کے اندر ہوئی اور محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب نے ہی دعا کروائی۔ احباب کرام کی ایک بھاری تعداد نے جنازہ اور تدفین کی کارروائی میں شرکت کی۔ احباب دور دراز کے علاقوں سے بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔

آپ انتہائی عبادت گزار، غریبوں کی ہمدرد، مستجاب الدعوات اور صاحب رؤیا و کشوف تھیں۔ بنی نوع انسان کے لئے اس قدر ہمدردی تھی کہ دوسروں کا دکھ دیکھ کر تڑپ اٹھتیں اگر کسی نے دعا کیلئے کہہ دیا تو اس کے لئے مسلسل دعا کرتی رہتیں۔ بعض اوقات دس دس سال تک دعاؤں کا یہ سلسلہ چلتا رہتا۔

محترمہ صاحبزادی امۃ الحکیم بیگم صاحبہ کو حضور انور کے ارشاد پر 1993ء سے 1997ء تک مسلسل پانچ سال جلسہ سالانہ انگلستان میں شمولیت کی توفیق ملتی رہی بعد ازاں آپ اپنی بیماری کی وجہ سے تشریف نہیں لے جاسکیں۔

ادارہ خالد و تشحیذ الاذہان اس سانحہ پر اپنے محبوب امام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ، مرحومہ کے اعزا و اقربا خصوصاً خاوند محترم اور بچوں و دیگر افراد خاندان سے دلی تعزیت کا اظہار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ بلند درجات عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین

ستمبر 2001ء تبوک 1380ھش

جمعہ	جمعرات	بدھ	منگل	سوموار	اتوار	ہفتہ
7	6	5	4	3	2	1
14	13	12	11	10	9	8
21	20	19	18	17	16	15
28	27	26	25	24	23	22
					30	29

مجلس خدام الاحمدیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

خالد

جلد نمبر 48 شمارہ نمبر 9

ستمبر 2001ء

قیمت ۱۰ روپے ...... سالانہ ۱۰۰
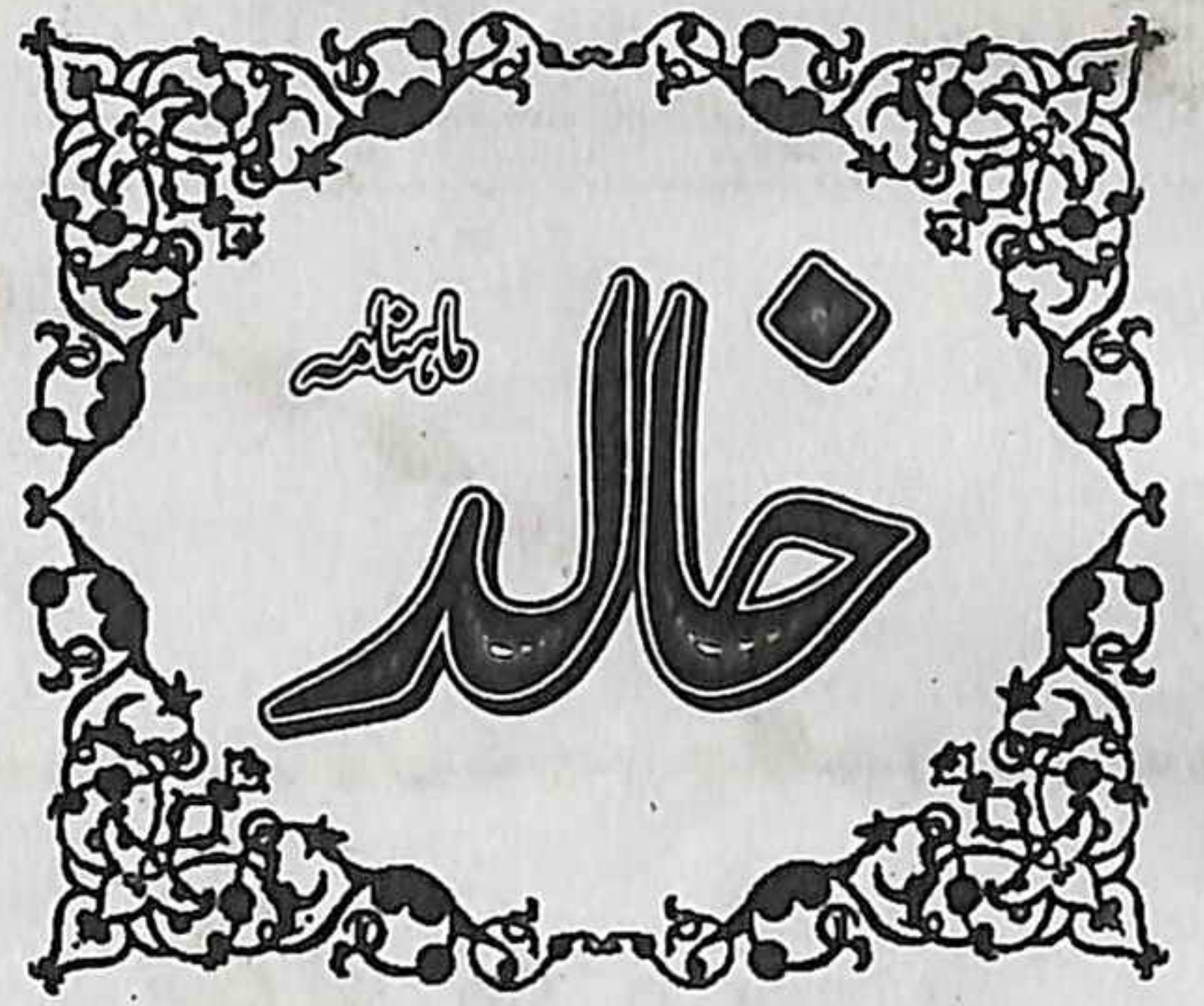
مدیر
اسفندیار منیب

نائبین
منصور احمد نورالدین - فرید احمد ناصر
معاونین
احمد طاہر مرزا - میر انجم پرویز

کمپوزنگ: اقبال احمد زبیر
ٹائٹل ڈیزائننگ پیج سیٹنگ: شیخ نصیر احمد
پبلشر: قمر احمد محمود
مینیجر: سلطان احمد خالد
پرنٹر: قاضی منیر احمد
مطبع: ضیاء الاسلام پریس چناب نگر (ربوہ)
مقام اشاعت: ایوان محمود دارالصدر جنوبی

اداریہ

آ جلتے ہوئے شہر میں کچھ پیڑ لگا دیں ☆ لوگوں کیلئے سائے کے کچھ اسباب بنا دیں

حدیث نبوی ﷺ

عَنِ النّبیﷺ قال ما من مُسلم غرس غرسا فاَکل منہُ انسانٌ اَوْ دابۃٌ اوطیرٌ اِلّا کان لہ بہٖ صَدَقَۃٌ (بخاری کتاب البیوع)

کوئی بھی مسلمان جو پودا لگاتا ہے جس سے کوئی انسان، جانور یا پرندہ کھاتا ہے تو یہ اس (پودا لگانے والے) کیلئے صدقہ (جاریہ) ہے۔

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"پودا لگانا پھر آب پاشی کرنا اور اس کی خبر گیری رکھنا اور ثمر دار درخت ہونے تک محفوظ رکھنا ایک بڑا احسان ہے"۔ (روئداد جلسہ دعا۔ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 599)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایت

ہر احمدی گھرانہ کم از کم تین پھل دار پودے (کینو، امرود اور تیسرا اپنی مرضی سے) ضرور لگائے۔

☆......☆......☆

معرفتِ حق

آواز آ رہی ہے یہ فونو گراف سے
ڈھونڈو خدا کو دل سے نہ لاف و گزاف سے

جب تک عمل نہیں ہے دل پاک و صاف سے
کمتر نہیں یہ مشغلہ بُت کے طواف سے

باہر نہیں اگر دلِ مُردہ غلاف سے
حاصل ہی کیا ہے جنگ و جدال و خلاف سے

وہ دیں ہی کیا ہے جس میں خدا سے نشاں نہ ہو
تائیدِ حق نہ ہو مددِ آسماں نہ ہو

مذہب بھی ایک کھیل ہے جب تک یقیں نہیں
جو نور سے تہی ہے خدا سے وہ دیں نہیں

دینِ خدا وہی ہے جو دریائے نور ہے
جو اس سے دور ہے وہ خدا سے بھی دور ہے

دینِ خدا وہی ہے جو ہے وہ خدا نما
کس کام کا وہ دیں جو نہ ہووے گرہ کشا

جن کا یہ دیں نہیں ہے نہیں ان میں کچھ بھی دم
دنیا سے آگے ایک بھی چلتا نہیں قدم

وہ لوگ جو کہ معرفتِ حق میں خام ہیں
بت ترک کر کے پھر بھی بتوں کے غلام ہیں

(درثمین)

☆☆☆

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اصحابؓ سے حسنِ سلوک

(میر انجم پرویز)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے اچھے اخلاق کے مالک تھے۔ ایک بار آپ نے مجھے کسی کام کیلئے بھیجا۔ میں نے کہا میں نہیں جاؤں گا۔ لیکن دل میں میرے یہ تھا کہ میں ضرور جاؤں گا کیونکہ حضورؐ حکم فرما رہے تھے۔ بہرحال میں چل پڑا اور بازار میں کھیلتے ہوئے بچوں کے پاس سے گذرا اور ان کے پاس کھڑا ہو گیا۔ آنحضرتؐ تشریف لائے اور پیچھے سے میری گردن پکڑلی۔ میں نے مڑ کر آپ کی طرف دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ انس! جس کام کی طرف میں نے تجھے بھیجا تھا وہاں گئے۔ میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! بس ابھی جاتا ہوں۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں۔ خدا کی قسم! میں نے نو سال تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی مجھے علم نہیں کہ آپ نے کبھی یہ فرمایا ہو کہ تُو نے یہ کام کیوں کیا؟ یا کوئی کام نہ کیا' تو آپؐ نے فرمایا ہو کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟

(مسلم کتاب الفضائل باب کان رسول اللہ احسن الناس خُلقًا)

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سیاہ رنگ کی عورت مسجد کی صفائی اور اس کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی دن تک اس کو نہ دیکھا تو آپ نے اس کے متعلق پوچھا۔ لوگوں نے عرض کی۔ یارسول اللہ! اس کی تو وفات ہوگئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے کیوں نہ اس کی اطلاع دی۔ پھر آنحضورؐ نے فرمایا مجھے اس کی قبر دکھاؤ۔ لوگوں نے قبر بتائی تو آپؐ نے وہاں جا کر اس کی نمازِ جنازہ پڑھی اور فرمایا۔ یہ قبریں تاریکی سے بھری ہوئی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ میری نماز اور دعا کی وجہ سے ان کو روشن کر دیتا ہے۔

(مسلم کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی القبر)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ گاؤں کے رہنے والے ایک صحابی جن کا نام زاہر بن حرام تھا اور وہ دیکھنے میں زیادہ خوش شکل نہ تھے۔ گاؤں کی چیزیں بطور تحفہ حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔ جب وہ واپس جانے لگتے تو حضور بھی کچھ نہ کچھ تحفہ دے کر روانہ فرماتے۔ آنحضورؐ فرماتے۔ زاہر ہمارا دیہاتی دوست ہے اور میں اس کا شہری دوست ہوں۔ حضورؐ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ ایک دن حضورؐ نے انہیں دیکھا کہ منڈی میں اپنا سامان فروخت کر رہے ہیں۔ آپؐ نے ان کے پیچھے سے جا کر ان کی آنکھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔ اس پر وہ کہنے لگے، کون ہے؟ پھر فوراً انہوں نے محسوس کیا کہ آنکھیں بند کرنے والے تو حضورؐ ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی پیٹھ کو

حضور کے سینے سے چمٹا کر خوب رگڑنے لگے۔ حضورؐ مزاحاً فرمانے لگے۔ یہ غلام مجھ سے کون خریدتا ہے؟ یہ سن کر انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہؐ! خدا کی قسم اس طرح تو آپ گھاٹے میں رہیں گے۔ (یعنی مجھ حقیر اور بدصورت کو کون خریدے گا) اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک تم حقیر نہیں۔ بلکہ بڑا قیمتی اور انمول وجود ہو۔

(شمائلِ ترمذی باب ما جاء فی صفۃ مزاح رسول اللہؐ)

حضرت عبداللہ بن ابوبکرؓ بیان کرتے ہیں۔ ایک عرب نے ان سے ذکر کیا کہ جنگِ حنین میں بھیڑ کی وجہ سے اس کا پاؤں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں پر جا پڑا۔ سخت قسم کی چپلی جو میں نے پہن رکھی تھی اس کی وجہ سے آنحضرتؐ کا پاؤں بُری طرح زخمی ہو گیا۔ حضورؐ نے تکلیف کی وجہ سے ہلکا سا کوڑا مارتے ہوئے فرمایا۔ بسم اللہ تم نے میرا پاؤں زخمی کر دیا ہے۔ اس سے مجھے بڑی ندامت ہوئی۔ ساری رات میں سخت بے چین رہا کہ ہائے مجھ سے غلطی کیوں ہوئی۔ صبح ہوئی تو کسی نے مجھے آواز دی کہ حضورؐ تمہیں بلاتے ہیں مجھے اور گھبراہٹ ہوئی کہ کل کی غلطی کی وجہ سے شاید میری شامت آئی ہے۔ بہر حال میں حاضر ہوا تو حضورؐ نے بڑی شفقت سے فرمایا۔ کل تم نے میرا پاؤں کچل دیا تھا اور اس پر مَیں نے تمہیں ایک کوڑا ہلکا سا مارا تھا اس کا مجھے افسوس ہے۔ یہ اسّی بکریاں تمہیں دے رہا ہوں۔ یہ لے لو۔ (مسند دارمی باب فی سخاء النبیؐ)

☆☆☆

یوم تحریک جدید

7 ستمبر 2001ء بروز جمعۃ المبارک

منایا جائے

امراء وصدر صاحبان کی خدمت میں درخواست ہے کہ مجلس مشاورت ۱۹۹۱ء کے فیصلہ کی تعمیل میں سال رواں کا دوسرا یوم تحریک جدید ۷ ستمبر ۲۰۰۱ء بروز جمعۃ المبارک منایا جائے جس میں احباب جماعت کو مطالبات تحریک جدید کی طرف خصوصی توجہ دلائی جائے۔ اس موقع پر امراء وصدر صاحبان اپنی سہولت اور حالات کے مطابق جلسے منعقد کر کے مطالبات کی اہمیت احباب جماعت پر واضح کرنے کا اہتمام فرمائیں۔ خطبات جمعہ میں تحریک جدید کے مطالبات اور ان کی حکمت عملی بیان کی جائے۔ اس دن خصوصیت کے ساتھ تحریک جدید کے ذریعہ جماعت پر نازل ہونے والے انعامات وافضال الٰہیہ کا احباب جماعت کے سامنے ذکر کیا جائے۔

اگر کسی وجہ سے کسی جگہ ۷ ستمبر کو یوم تحریک جدید نہ منایا جاسکتا ہو تو جماعتی فیصلہ کے تحت اپنی سہولت اور حالات کے مطابق کسی بھی مناسب تاریخ کو جلسہ یوم تحریک جدید منا کر رپورٹ ارسال فرمائیں۔

مربیان و معلمین کرام سے یوم تحریک جدید کو کامیاب بنانے اور اس کی رپورٹ بھجوانے کے لئے تعاون کی درخواست ہے۔

وکیل الدیوان تحریک جدید ربوہ

نماز، تذلّل اور انکساری کا بلند مقام

(منشاد احمد نیر۔ لاہور)

خدا تعالیٰ نے انسان کو اپنی دیگر تمام مخلوقات سے بڑھ کر انعام واکرام سے نوازا ہے اور اسے عقل جیسی عظیم اور گراں قدر نعمت عطا فرما کر اشرف المخلوقات کا درجہ دیا ہے۔ اور قرآن کریم میں انسانی زندگی کا واحد اور بنیادی مقصد ان الفاظ میں ہم تک پہنچایا کہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

(الذّٰریٰت: 57)

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

اسی طرح ایک اور موقع پر نماز کی افادیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ

(العنکبوت: 46)

یقیناً نماز بُری اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے۔

پس اس مندرجہ بالا ارشاد کی روشنی میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ہماری نمازوں کی قبولیت کس حد تک ہے۔ کیونکہ اگر ہم نامناسب افعال اور ناپسندیدہ اقوال سے بچے ہوئے ہیں تو یہ محض فضل الٰہی اور نیک نیتی سے ادا کی ہوئی نمازوں کی برکت ہے ورنہ ہمیں اپنی عبادات کو پرکھنا ہوگا اور ان میں نمایاں تبدیلی پیدا کرنی ہوگی تا کہ ہم اس آیت مبارکہ کے مصداق ہو سکیں۔

عبادات کی کامل ادائیگی میں ہمارے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ قابل تقلید ہے جنہوں نے دنیاوی زندگی میں ہی جنت کی بشارت پانے کے باوجود ساری ساری رات اپنے رب کے حضور قیام وسجود میں گڑگڑاتے گزاری۔ آپ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ کوئی ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں لے جائے اور آگ سے دور رکھے۔ آپ نے فرمایا "تو اللہ کی عبادت کر اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرا اور نماز قائم کر۔ (بخاری کتاب الادب باب صلۃ الرحم)

ایک اور موقع پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد کی طرف اٹھنے والے ہر قدم سے ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ ایک گناہ معاف ہو جاتا ہے اور مسجد میں کسی کی موجودگی نماز ہی کی حالت میں گنی جاتی ہے اور فرشتے اس کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ "اے اللہ اس پر رحم کر۔ اس کو بخش دے۔ اس کی توبہ قبول فرما"۔ (ترمذی کتاب الصلوٰۃ)

اسی طرح ایک اور حدیث میں حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ "نماز کو چھوڑنا انسان کو شرک اور کفر کے قریب کر دیتا ہے"۔ (مسلم کتاب الایمان)

ایک حدیث مبارکہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے روایت کی، کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے آپ نے فرمایا

وقت پر نماز پڑھنا۔ یعنی نماز کے لئے جو وقت مقرر ہے اس وقت پر نماز خدا تعالیٰ کو پسند ہے۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا ماں باپ سے نیک سلوک کرنا۔

نماز کیا چیز ہے؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''نماز کیا چیز ہے؟ وہ دعا ہے جو تسبیح، تحمید تقدیس اور استغفار اور درود کے ساتھ تضرع سے مانگی جاتی ہے۔ سو جب تم نماز پڑھو تو بے خبر لوگوں کی طرح اپنی دعاؤں میں صرف عربی الفاظ کے پابند نہ رہو کیونکہ ان کی نماز اور ان کا استغفار سب رسمیں ہیں جن کے ساتھ کوئی حقیقت نہیں۔

لیکن جب تم نماز پڑھو تو بجز قرآن کے جو خدا کا کلام ہے اور بجز بعض ادعیہ ماثورہ کے کہ وہ رسولؐ کا کلام ہے۔ باقی اپنی تمام عام دعاؤں میں اپنی زبان میں ہی الفاظ متضرعانہ ادا کر لیا کرو۔ تا کہ تمہارے دلوں پر اس عجز و نیاز کا کچھ اثر ہو''۔(روحانی خزائن جلد نمبر 19 کشتی نوح 68,69)

خدا سے دل لگانے کا نام نماز ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:۔

''نماز کیا ہے؟ یہی کہ اپنے عجز و نیاز اور اپنی کمزوریوں کو خدا کے سامنے پیش کرنا اور اسی سے اپنی حاجت روائی چاہنا۔ کبھی اس کی عظمت اور اس کے احکام کی بجا آوری کے واسطے دست بستہ کھڑے ہونا اور کبھی کمال مذلت اور فروتنی سے اس کے آگے سجدہ میں گر جانا۔ اس سے اپنی حاجات مانگنا یہی نماز ہے۔ ایک سائل کی طرح کبھی اس مسئول کی تعریف کرنا کہ تو ایسا ہے۔ اس کی عظمت اور جلال کا اظہار کر کے اس کی رحمت کو جنبش دلانا۔ پھر اس سے مانگنا۔ پس جس دین میں یہ نہیں وہ دین ہی کیا ہے۔

انسان ہر وقت محتاج ہے۔ اس سے اس کی رضا کی راہیں مانگتا رہے اور اس کے فضل کا اسی سے خواستگار ہو کیونکہ اس کی دی ہوئی توفیق سے کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اے خدا ہم کو توفیق دے کہ ہم تیرے ہو جائیں اور تیری رضا پر کاربند ہو کر تجھے راضی کر لیں خدا تعالیٰ کی محبت، اسی کا خوف، اسی کی یاد میں دل لگا رہنے کا نام نماز ہے اور یہی دین ہے پھر جو شخص نماز ہی سے فراغت حاصل کرنی چاہتا ہے اس نے حیوانوں سے بڑھ کر کیا کیا۔ وہی کھانا پینا اور حیوانوں کی طرح سو رہنا یہ تو دین ہرگز نہیں''۔

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 188)

نماز کا حق ادا کرنا چھوٹی بات نہیں

''یہ مت خیال کرو کہ جو نماز کا حق تھا ہم نے ادا کر لیا یا دعا کا جو حق تھا وہ ہم نے پورا کیا ہرگز نہیں۔ دعا اور نماز کے حق کا ادا کرنا چھوٹی بات نہیں۔ یہ تو ایک موت اپنے اوپر وارد کرنی ہے۔ نماز اس بات کا نام ہے کہ جب انسان اسے ادا کرتا ہو تو یہ محسوس کرے کہ اس جہان سے دوسرے جہان میں پہنچ گیا ہوں۔ بہت سے لوگ ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ پر الزام لگاتے ہیں اور اپنے آپ کو بری خیال کر کے کہتے ہیں کہ ہم نے تو نماز بھی پڑھی اور دعا بھی کی ہے۔ مگر قبول نہیں ہوتی۔ یہ ان لوگوں کا اپنا قصور ہوتا ہے۔

نماز اور دعا جب تک انسان غفلت اور کسل سے خالی نہ ہو تو وہ قبولیت کے قابل نہیں ہوا کرتی"۔

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 231)

نماز خدا تعالیٰ سے ملاقات کا ذریعہ

ایک اور جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا اہم ذریعہ بیان فرماتے ہیں کہ:۔

"اصل میں قاعدہ ہے کہ اگر انسان نے کسی خاص منزل پر پہنچنا ہے تو اس کے واسطے چلنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جتنی لمبی وہ منزل ہوگی اتنا ہی زیادہ تیزی، کوشش اور محنت اور دیر تک اسے چلنا ہوگا۔ سو خدا تعالیٰ تک پہنچنا بھی تو ایک منزل ہے اور اس کا بُعد اور دوری بھی لمبی۔ پس جو شخص خدا تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اور اس کے دربار میں پہنچنے کی خواہش رکھتا ہے۔ اس کے واسطے نماز ایک گاڑی ہے جس پر سوار ہو کر وہ جلد تر پہنچ سکتا ہے۔ جس نے نماز ترک کر دی وہ کیا پہنچے گا"۔

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 189)

تباہی سے بچنے کا ذریعہ نماز باجماعت

حضرت المصلح الموعود تقسیم ہند کے فسادات کے ایام میں جماعت کو بطور نصیحت فرماتے ہیں کہ:

"ایک چیز ہے جس پر اگر زور ہو تو میرا خیال ہے کہ جماعت تباہی سے بچ جائے گی۔ وہ نماز باجماعت کی ادائیگی ہے۔ اس سے وقت کی پابندی لازم ہوگی اور پھر اس سے ہر کام بروقت ہوگا"۔

(الفضل انٹرنیشنل 11 تا 17 فروری 2000)

نماز باجماعت کی اہمیت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں:

"ایسا شخص جو (بیت) میں نماز پڑھنے کیلئے نہیں آتا اور بلاوجہ گھر میں ہی پڑھتا ہے وہ اپنی محنت ضائع کرتا ہے کیونکہ گھر میں (فرض) نماز ہوتی ہی نہیں اور گھر میں اگر کوئی شخص ایک گھنٹہ بھی نماز پر خرچ کر دے تو بھی وہ اس نماز کے برابر نہیں ہو سکتی جس پر (بیت الذکر) میں پندرہ منٹ ہی صرف کرے"۔

(خطبات محمود صفحہ 373)

نماز با ترجمہ کی ضرورت

پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متعدد خطبات میں مقبول نمازوں کے ادا کرنے کے طریق سکھلائے ہیں اور خصوصاً اس کے ترجمہ کو ازبر کرنے کی نصیحت فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں۔

"صرف نماز پڑھنا کافی نہیں، نماز ترجمے کے ساتھ پڑھنا بہت ضروری ہے اور نماز کا ترجمہ ہر احمدی کو آنا چاہئے خواہ وہ بچہ ہو، جوان ہو یا بوڑھا، مرد ہو یا عورت۔ ہر شخص کیلئے ضروری ہے کہ وہ نماز کا ترجمہ جانتا ہو اور اس حد تک یہ ترجمہ رواں ہو کہ جب وہ نماز پڑھے تو سمجھ کر نماز پڑھے"۔

(الفضل 2 جولائی 1998ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں مندرجہ بالا نصائح کی روشنی میں نماز باجماعت کی اہمیت وافادیت کو سمجھنے اور ایسی عبادات بجالانے کی توفیق عطا فرمائے جو اس کے حضور مقبولیت کا درجہ پائیں۔

آمین

اکثر شب تنہائی میں

نادر کاکوروی کی اس نظم کی شاعری جذبات نگاری کی اعلیٰ مثال ہے۔ نادر اپنے معاصرین کی طرح انگریزی شاعری سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ ان کی یہ نظم بھی معروف انگریزی شاعر "ٹامس مور" کی ایک انگریزی نظم کا ترجمہ ہے۔ لیکن ترجمہ کے باوجود نظم کی روحِ شعریت برقرار ہے اور اس میں جذبات نگاری، دلکشی اور دلآویزی پوری طرح جلوہ گر ہے۔

اکثر شبِ تنہائی میں کچھ دیر پہلے نیند سے
گذری ہوئی دلچسپیاں بیتے ہوئے دن عیش کے
بنتے ہیں شمعِ زندگی اور ڈالتے ہیں روشنی
میرے دلِ صد چاک پر

وہ بچپن اور وہ سادگی وہ رونا وہ ہنسنا کبھی
پھر وہ جوانی کے مزے وہ دل لگی وہ قہقہے
وہ عشق وہ عہدِ وفا وہ وعدہ اور وہ شکریہ
وہ لذتِ بزمِ طرب یاد آتی ہے اک ایک سب
دل کا کنول جو روز و شب رہتا شگفتہ تھا سو اب
اس کا یہ ابتر حال ہے اک سبزۂ پامال ہے
اک پھول کملایا ہوا سوکھا ہوا، بکھرا ہوا
روندا پڑا ہے خاک پر

یوں ہی شبِ تنہائی میں۔ کچھ دیر پہلے نیند سے
گذری ہوئی ناکامیاں بیتے ہوئے دن رنج کے
بنتے ہیں شمعِ زندگی اور ڈالتے ہیں روشنی
ان حسرتوں کی قبر پر

جو آرزوئیں پہلے تھیں پھر غم سے حسرت بن گئیں
غم دوستوں کے فوت کا ان کی جوانا موت کا

لے دیکھ شیشے میں مرے ان حسرتوں کا خون ہے
جو گردشِ ایام سے جو قسمتِ ناکام سے
یا عیش غم انجام سے مرگِ بت گل فام سے
خود دل میں میرے مر گئیں کس طرح پاؤں میں حزیں
قابو دلِ صد چاک پر

جب آہ ان احباب کو میں یاد کر اٹھتا ہوں جو
یوں مجھ سے پہلے اڑ گئے جس طرح طائر باغ سے
یا جیسے پھول اور پتیاں گر جائیں سب قبل از خزاں
اور خشک رہ جائے شجر

اس وقت تنہائی مری بن کر مجسم بے کسی
کر دیتی ہے پیش نظر ہُو حق سا اک ویران گھر
برباد جس کو چھوڑ کر سب رہنے والے چل بسے
ٹوٹے کواڑ اور کھڑکیاں چھت کے ٹپکنے کے نشاں
پرنالے ہیں روزن نہیں یہ حال ہے آنگن نہیں
پردے نہیں چلمن نہیں اک شمع تک روشن نہیں
میرے سوا جس میں کوئی جھانکے نہ بھولے سے کبھی
وہ خانہ خالی ہے دل پوچھے نہ جس کو دیو بھی
اجڑا ہوا ویران گھر

یوں ہی شب تنہائی میں کچھ دیر پہلے نیند سے
گذری ہوئی دلچسپیاں بیتے ہوئے دن عیش کے
بنتے ہیں شمع زندگی اور ڈالتے ہیں روشنی
میرے دلِ صد چاک پر

☆☆☆

بحوالہ روزنامہ الفضل یکم جولائی ۱۹۹۹ء

سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

خدام سے حُسنِ سلوک

(آصف محمود بٹ۔ سیالکوٹ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے خادموں میں سے ایک حضرت حافظ حامد علی صاحب تھے وہ عرصہ دراز تک حضرت اقدس کی خدمت میں رہے۔ وہ کہتے تھے کہ

''مجھے ساری عمر میں کبھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہ جھڑکا اور نہ سختی سے خطاب کیا۔ بلکہ میں بڑا ہی سست تھا اور اکثر آپ کے ارشادات کی تعمیل میں دیر بھی کر دیا کرتا تھا''۔

حضرت حافظ حامد علی صاحب کا ہی ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں کچھ لفافے اور کارڈ دیئے کہ ڈاک خانہ میں ڈال آؤ۔ حضرت حافظ حامد علی صاحب کا حافظہ کچھ ایسا ہی تھا۔ پس وہ کسی اور کام میں مصروف ہو گئے اور اپنے مفوض کو بھول گئے۔ ایک ہفتہ کے بعد حضرت خلیفہ ثانی کچھ لفافے اور کارڈ لئے دوڑتے ہوئے آئے کہ ابا ہم نے کوڑے کے ڈھیر سے خط نکالے ہیں۔ آپ نے دیکھا تو وہی خطوط تھے۔ جن میں بعض رجسٹرڈ بھی تھے اور آپ ان کے جواب کے منتظر تھے۔ حضرت حامد علی کو بلوایا اور خط دکھا کر بڑی نرمی سے صرف اتنا ہی کہا۔

''حامد علی! تمہیں نسیان بہت ہو گیا ہے ذرا فکر سے کام لیا کرو''۔

(سیرت حضرت مسیح موعود مصنفہ حضرت یعقوب علی عرفانی صاحب)

محترم مرزا اسماعیل بیگ صاحب جن کو بچپن سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خادم ہونے کی عزت حاصل ہے بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام بڑے مرزا صاحب قبلہ کے ارشاد کی تعمیل میں بعثت سے پہلے مقدمات کی پیروی کیلئے جایا کرتے تھے تو سواری کیلئے گھوڑا بھی ساتھ ہوتا تھا اور میں بھی عموماً ہمرکاب ہوتا تھا لیکن جب آپ چلنے لگتے تو آپ پیدل ہی چلتے۔ مجھے گھوڑے پر سوار کرا دیتے۔ میں بار بار انکار کرتا اور عرض کرتا کہ حضور مجھے شرم آتی ہے۔ آپ فرماتے کہ:

''کیوں تمہیں گھوڑے پر سوار ہونے سے شرم آتی ہے ہم کو پیدل چلنے میں شرم نہیں آتی''۔

مرزا اسماعیل بیگ صاحب کہتے ہیں کہ جب قادیان سے چلتے تو ہمیشہ پہلے مجھے گھوڑے پر سوار کرتے جب نصف سے کم یا زیادہ راستہ طے ہو جاتا تو میں اُتر پڑتا اور آپ سوار ہو جاتے اور اسی طرح جب عدالت سے واپس ہونے لگتے تو پہلے مجھے سوار کراتے اور بعد میں آپ سوار ہوتے اور جب خود سوار ہوتے تو گھوڑا جس چال سے چلتا تو اسی چال سے چلنے دیتے ایسا ہوتا گویا کہ باگوں کا اشارہ بھی نہیں ہوا۔

(سیرت حضرت مسیح موعود مصنفہ حضرت یعقوب علی عرفانی صاحب صفحہ 361)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خادموں میں ایک پیرا پہاڑیا تھا جو بالکل جاہل اور اُجڈ آدمی تھا۔ اس سے بے وقوفی کے افعال کا سرزد ہونا ایک معمولی بات ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بیماری کا دورہ ہوا۔ باوجودیکہ گرمی کا موسم تھا۔ ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے۔ اوپر

(بیت) کی چھت پر بعد نماز مغرب تشریف فرما تھے احباب فوری تدابیر میں مصروف ہو گئے۔ پیرا کو بھی خبر ہوئی وہ اس وقت مٹی گارے کا کوئی کام کر رہا تھا۔ پاؤں کیچڑ میں لت پت تھے اسی حالت میں (بیت) میں چلا آیا آگے دری تھی اور یہ قدرتی امر تھا کہ اس کی اس حالت سے پاس والوں کے کپڑے اور دری کا فرش خراب ہوتا۔ اس ہیئت کذائی سے وہ آگے بڑھا اور حضرت کو دبانے لگا۔ بعض نے اس کو کہا کہ تو کس طرح آ گیا۔ تیرے پاؤں خراب ہیں مگر اس نے کچھ بھی نہیں سنا اور حضرت کو دبانے لگا حضرت نے فرمایا:۔

"اس کو کیا خبر ہے جو کرتا ہے کرنے دو۔ کچھ حرج نہیں"۔

(سیرت حضرت مسیح موعود مصنفہ حضرت یعقوب علی عرفانی صاحب صفحہ 350)

☆☆☆

قائدین مجالس اور ناظمین تعلیم

توجہ فرمائیں!

☆ کیا آپ کی مجلس کے تمام خدام نے نماز باترجمہ یاد کر لی ہے؟

☆ کیا آپ کی مجلس میں تعلیم القرآن کلاس جاری ہے؟

☆ کیا خدام ہر ماہ روحانی خزائن سے کسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں؟

☆ کیا علمی ریلی میں شمولیت کیلئے آپ نے اپنی تیاری مکمل کر لی ہے؟

اگر نہیں! تو پھر فوری توجہ فرمائیں اور اپنی مساعی سے آگاہ فرمائیں۔

(مہتمم تعلیم خدام الاحمدیہ پاکستان)

ایک ضروری وضاحت

ماہنامہ "خالد" ماہ جون 2001ء میں علم انعامی حاصل کرنے والی مجالس خدام و اطفال کی تصاویر سرورق پر شائع ہوئی ہیں۔ غلطی سے مجلس اطفال الاحمدیہ کے ساتھ خلافت جوبلی علم انعامی لکھا گیا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ خلافت جوبلی علم انعامی صرف خدام کی اس مجلس کو دیا جاتا ہے جو سال بھر کی کارکردگی کے لحاظ سے پاکستان بھر کی مجالس میں اوّل رہے۔ جب کہ اطفال کی مجالس میں اوّل آنے والی مجلس کو علم انعامی دیا جاتا ہے۔ جو کہ خلافت جوبلی نہیں کہلاتا۔ احباب نوٹ فرما لیں۔ (مہتمم اشاعت)

اعلان

پینتالیسویں سالانہ تربیتی کلاس 2001ء کی تفصیلی رپورٹ اگلے شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرارداد تعزیت

بروفات حضرت صاحبزادی امۃ الحکیم بیگم صاحبہ

یہ خبر نہایت دلی رنج اور افسوس سے سنی گئی کہ حضرت صاحبزادی امۃ الحکیم بیگم صاحبہ مورخہ 18 جولائی 2001ء کو 75 سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ حضرت مسیح موعودؑ کی پوتی، حضرت مصلح موعود اور حضرت ام طاہر سیدہ مریم بیگم صاحبہ کی بیٹی اور ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہمشیرہ اور مکرم سید داؤد مظفر شاہ صاحب کی اہلیہ اور محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی کی خوشدامن تھیں اور مکرم سید محمود احمد شاہ صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی والدہ محترمہ تھیں۔

آپ 26 مارچ 1926ء کو قادیان میں پیدا ہوئیں اور 30 مارچ 1945ء کو حضرت مصلح موعود نے بیت نور قادیان میں آپ کا نکاح حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب کے صاحبزادے محترم سید داؤد مظفر شاہ صاحب سے پڑھایا۔

آپ انتہائی عبادت گزار، غریب پرور، مستجاب الدعوات اور صاحب کشف و رؤیا بزرگ خاتون تھیں۔ تقویٰ، ریاضت اور دعا گوئی میں قابل رشک نمونہ تھیں۔ زہد و قناعت، اور صبر و رضا آپ کا نمایاں وصف تھا۔ عبادت میں خاص شغف تھا، مہینوں روزے رکھنا، مسلسل دعائیں کرنا اور انتہائی غربت میں بھی غناء اور قناعت کا ایک خوبصورت اور قابل تحسین و تقلید اسوہ تھیں۔

شادی کے بعد لمبا عرصہ سندھ میں قیام کے دوران لجنہ کی تنظیم کو فعال بنانے میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے چھ بیٹوں اور تین بیٹیوں سے نوازا اور اللہ تعالیٰ نے مرحومہ صاحبزادی صاحبہ کو یہ سعادت اور فخر نصیب کیا کہ تین بیٹے واقفِ زندگی ہیں اور جماعت میں نمایاں خدمات بجالانے کی توفیق پا رہے ہیں اور تینوں بیٹیاں واقفین زندگی سے بیاہی ہوئی ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ کی اولاد کا مختصر تعارف کچھ یوں ہے۔

۱۔ محترم سید مولود احمد صاحب مکینیکل انجینئر

۲۔ محترمہ صاحبزادی امۃ السبوح صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ ربوہ بیگم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی

۳۔محترم سید خالد احمد شاہ صاحب ناظر بیت المال خرچ (سابق مہتمم مقامی و نائب صدر خدام الاحمدیہ)

۴۔محترم سید قاسم احمد شاہ صاحب نائب ناظر امور عامہ (سابق مہتمم مقامی)

۵۔محترم سید طارق احمد صاحب' U.N.O کے ادارہ خوراک وزراعت میں تعینات

۶۔محترمہ صاحبزادی امۃ الروف صاحبہ بیگم ڈاکٹر تاثیر مجتبیٰ صاحب واقف زندگی حال غانا

۷۔محترم سید صہیب احمد صاحب۔کارکن مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

۸۔محترمہ سیدہ امۃ العزیز زوبی صاحبہ بیگم مکرم ملک خالد احمد ظفر صاحب واقف زندگی

۹۔محترم سید محمود احمد شاہ صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان و نائب ناظر اصلاح وارشاد مرکزیہ وانچارج گلشن احمد نرسری ربوہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حضرت صاحبزادی امۃ الحکیم بیگم صاحبہ کا خطبہ جمعہ فرمودہ 20 جولائی 2001ء میں ذکرِ خیر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"غریبوں سے بہت ہمدرد تھیں۔ مستجاب الدعوات اور صاحبِ رؤیا وکشوف.....غریبوں اور مساکین کی باقاعدہ سرپرستی کرتی تھیں۔ بہت سے غریب ان سے استفادہ کرتے تھے۔غربت کی حالت میں زندگی بسر کی مگر جتنی بھی توفیق تھی اپنے غریبوں پر ضرور خرچ کرتی تھیں۔ زندگی میں فقیری اور درویشی نمایاں تھی۔ دوسروں کا دُکھ دیکھ کر تڑپ اُٹھتیں اور پھر مسلسل ان کے لئے دعاؤں میں لگی رہتیں......"

ہم اراکین عاملہ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان اپنے محبوب آقا اور صاحبزادی امۃ الحکیم صاحبہ کے شوہر محترم' بچگان' افراد خاندان حضرت اقدس اور جملہ لواحقین سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ مرحومہ صاحبزادی صاحبہ کو اعلیٰ علییّن میں شامل فرمائے اور اُس جہان میں بھی ان کی اولاد کی طرف سے آنکھیں ٹھنڈی رکھے۔ مرحومہ جو دعاؤں کا خزانہ چھوڑ گئی ہیں۔ اس خزانہ کی برکات کبھی کم ہوں نہ ختم۔ ان کی اولاد ان کی "خیر الوارثین" ثابت ہو۔ اور صاحبزادی موصوفہ کے شوہر محترم اور لواحقین کو صبر جمیل نصیب ہو۔ آمین

اَلَا لَیْسَ غیرُ اللّٰہِ فِی الدَّھْرِ بَاقِیًا

وَکُلُّ جَلِیْسٍ مَا خَلَا اللّٰہَ یُھْجَرُ

"سنو اللہ کے سوا زمانے میں کوئی باقی رہنے والا نہیں اور ہر ایک ہم نشین اللہ کے سوا جدا کیا جائے گا"

'بلانے والا ہے سب سے پیارا اُسی پہ اے دل تو جاں فدا کر'

ہم ہیں اراکین مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ پاکستان

23.07.01

تعارف کتب

تریاق القلوب

(مکرم فرید احمد ناصر صاحب)

ماہ اگست کے لئے کتاب تریاق القلوب ہے جو کہ 402 صفحات پر مشتمل ہے اور ماہ ستمبر کے لئے تحفہ غزنویہ مقرر ہے ہر دو کے تعارف پیش ہیں۔

سن تالیف

جولائی 1899ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کتاب کو لکھنا شروع کیا اور جنوری 1900ء کو اس کی تکمیل ہوئی۔لیکن شائع 1902 میں ہوئی۔

کتاب کا آغاز

اس کے آغاز میں آپ نے ایک فارسی نظم لکھی ہے جس میں ایک انسان کامل کی صفات بیان کرتے ہوئے ان آسمانی نشانوں کا تذکرہ کیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمان سے آپ کی تائید و نصرت کیلئے ظاہر ہوئے۔

پیشگوئیوں کی چھ صورتیں

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

”پیشگوئیاں چھ صورتوں سے باہر نہیں ہوتیں۔

۱۔ یا اپنی ذات کے متعلق ۔۲۔ یا اپنی بیوی کے متعلق۔ ۳۔ یا اپنی اولاد کے متعلق ۔۴۔ یا اپنے دوستوں کے متعلق۔ ۵۔ یا اپنے دشمنوں کے متعلق ۔۶۔ یا دنیا کی اور کسی چیز یا انسان کے متعلق۔ سو یہ تمام قسموں کی پیشگوئیاں کتاب براہین احمدیہ اور اشتہار 20 فروری 1886ء اور حاشیہ متعلقہ صفحہ 3 اشتہار 20 فروری 1886ء مندرجہ آئینہ کمالات اسلام اور ضمیمہ رسالہ انجام آتھم صفحہ 58 اور رسالہ انجام آتھم صفحہ 282 اور ازالہ اوہام میں درج ہیں“۔

اس کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان چار ہزار افراد میں سے (279) کے اسماء لکھے ہیں جنہوں نے لیکھرام کے متعلق پیشگوئی کے پورا ہونے پر اپنے دستخطوں کے ساتھ تصدیق کی۔اس کتاب کا نفسِ مضمون چونکہ پیشگوئیاں ہی بنتا ہے اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی 75 پیشگوئیوں کا ذکر فرما کر دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ وہ شان و شوکت کے ساتھ پوری ہو چکی ہیں۔

کتاب کے آخر میں آپ نے گورنمنٹ کے عدل کا ذکر کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چار مماثلتوں کا بھی تذکرہ فرمایا اور خلاصۂ شرائط بیعت تحریر فرمائیں:۔

فرقہ کا نام

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

”اس فرقہ کا نام ...... فرقہ احمدیہ اس لئے رکھا گیا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے۔ایک محمد صلی اللہ

علیہ وسلم۔ دوسرا احمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اسمِ محمدؐ جلالی نام تھا اور اس میں یہ مخفی پیشگوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دشمنوں کو تلوار کے ساتھ سزادیں گے جنہوں نے تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ کیا اور صدہا مسلمانوں کو قتل کیا۔ لیکن اسم احمد جمالی نام تھا۔ جس سے یہ مطلب تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آشتی اور صلح پھیلائیں گے۔

سو خدا نے ان دو ناموں کی اس طرح پر تقسیم کی کہ اوّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی زندگی میں اسم احمد کا ظہور تھا۔ اور ہر طرح سے صبر اور شکیبائی کی تعلیم تھی اور پھر مدینہ کی زندگی میں اسمِ محمد کا ظہور ہوا۔ اور مخالفوں کی سرکوبی خدا کی حکمت اور مصلحت نے ضروری سمجھی۔ لیکن یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ آخری زمانہ میں پھر اسمِ احمد ظہور کرے گا.........

پس اسی وجہ سے مناسب معلوم ہوا کہ اس فرقہ کا نام فرقہ احمد یہ رکھا جائے تا اس نام کو سنتے ہی ہر ایک شخص سمجھ لے کہ یہ فرقہ دنیا میں آشتی اور صلح پھیلانے آیا ہے اور جنگ اور لڑائی سے اس فرقہ کو کچھ سروکار نہیں"۔

تحفہ غزنویہ

(مکرم عبدالحق صاحب

ماہ ستمبر میں مطالعہ کے لئے "تحفہ غزنویہ" مقرر کی گئی ہے۔ حضرت مسیح موعودکی یہ تصنیف روحانی خزائن جلد نمبر ۱۵ کے صفحہ نمبر ۵۲۹ تا صفحہ نمبر ۵۹۲ کل ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

تصنیف واشاعت

یہ کتاب ۱۹۰۰ء میں لکھی گئی تھی لیکن اس کی اشاعت ۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو ہوئی۔

غرض تصنیف

ایک مخالف مولوی عبدالحق نامی نے ایک اشتہار نکالا تھا جس میں ایک تو آپ کی بعض پیشگوئیوں پر اعتراضات کئے تھے۔ دوسرے حضرت اقدس نے ہندوستان کے علماء و مشائخ کو حق و باطل کی تمیز کے لئے جو تجویز پیش کی تھی، اس تجویز پر اُس نے اعتراض کیا تھا۔ اس اشتہار کے جواب میں آپ نے یہ کتاب تصنیف فرمائی۔

نفسِ مضمون

شروع میں آپ نے مولوی عبدالحق کے اشتہار کا فارسی نظم میں جواب دیا ہے۔ اُس نے دو اعتراض کیے تھے۔ جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ بعض گذشتہ پیشگوئیاں جو پوری ہو چکی تھیں یا عنقریب پوری ہونے والی تھیں، پیش کر کے عام لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ پوری ہوگئی ہیں۔

۲۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ہندوستان کے علماء و مشائخ کے سامنے حق و باطل کی تمیز کے لیے جو تجویز پیش کی تھی۔ اس پر مخالف مولوی نے کہا کہ سارے ہندوستان کے علماء کیسے جمع ہونگے اور اخراجات کون اٹھائے گا۔ ان دونوں قسم کے اعتراضوں کا حضرت مسیح موعودؑ نے دندان شکن جواب دیا ہے۔ اس مولوی عبدالحق سے آپ کا ایک مباہلہ بھی ہو چکا تھا اس کے بعد جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائیدات، ترقی جماعت اور آسمانی نشانات کے ظہور اور مالی فتوحات کی صورت میں ہوئیں ان کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔

(شعبہ تعلیم مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان)

آن لائن کئے جانے والے کام جو آپ کو حیران کردیں

(مکرم فضل احمد اعوان۔ لاہور)

آپ سمجھتے ہونگے کہ E-Mail سے لے کر On Line خرید وفروخت تک کی تمام تر حدوں کو ہم چھو چکے ہیں۔ لیکن درحقیقت سینکڑوں نہیں ہزاروں ویب پیجز جن میں ہر روز اضافہ ہوتا جارہا ہے آپ کیلئے حیران کن معلومات فراہم کرتے ہیں۔ آیئے ان میں سے سب سے عجیب وغریب پر نظر ڈالتے ہیں۔

کوہِ فیوجی پر سورج کے طلوع کا منظر

اگر آپ ہوائی جہاز کا ٹکٹ خرید نہیں سکتے تو www.earthcam.com پر وزٹ کرنے سے آپ ایک ایسی سائٹ پر ہوں گے جو مسلسل تازہ ترین تصاویر جو کہ مشہور پہاڑ کی چوٹی پر نصب کیمروں کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں فراہم کرے گی۔ ہزاروں ایسے کیمرے جو کرۂ ارض کے مختلف مقامات پر نصب ہیں اور شوق رکھنے والے احباب کو تصاویر فراہم کر رہے ہیں۔ ان کا اصل مقصد عملی معلومات فراہم کرنا ہے۔ شاید آپ بینکاک کی شاہراہوں پر ٹریفک کا نظارہ کرنا چاہتے ہیں تو www.bangkoktraffic.com پر چلے جائیں۔ یا شاید آپ جنوب مشرقی ایشیا کا سیارے کے ذریعے نظارہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے باقاعدگی سے تازہ ترین تصاویر weatherimages.or/data/image35.html کے ذریعے سے ڈاؤن لوڈ کی جاسکتی ہیں۔ ہانگ کانگ کے گردونواح کے مناظر کیلئے www.hkta.org/gallery/webcams کو وزٹ کریں اور تصاویر کا دور اور نزدیک سے نظارہ کریں۔

Nancy Sob جو سنگاپور میں اکاؤنٹس ڈائریکٹر ہیں کو اپنی بچی Kimberlyn کو بچوں کی نگہداشت کے ادارے میں داخل کروانا پڑا جب کہ وہ خود زیادہ تر دفتر میں ہوتی ہیں۔ Nancy Sob کو چائلڈ ڈویلپمنٹ سینٹر کا علم ہوا جو کہ جنوب مشرقی ایشیاء میں اپنی طرز کا پہلا ایسا ادارہ ہے جو اپنے کلاس رومز میں لگے کیمروں کے ذریعے سے جو کمپیوٹر سرورز کے ساتھ منسلک ہیں سنگاپور میں رہنے والے ماں باپ کو دفتری اوقات میں جب کہ وہ کام میں مصروف ہوں اپنے بچوں کی نگرانی کرنے کی سہولت فراہم کرتا ہے۔ Web کیمروں میں ایسی ہدایات موجود ہیں جس کے ذریعہ سے صرف وہ ماں باپ اپنے بچوں کو دیکھ سکتے ہیں جن کے پاس ادارے کی طرف سے دیا گیا خفیہ کوڈ ہو اب Sob اپنی بچی کو دن میں دو مرتبہ آفس کمپیوٹر کے ذریعے دیکھ سکتی ہے۔ Sob کا کہنا ہے کہ اس طرح سے مجھے یہ جاننے کا موقع ملتا ہے کہ میری بیٹی سکول میں کیا کر رہی ہے۔ Kimberlyn کی نانی اماں بھی اس سہولت کے ذریعے سے اپنی نواسی کو دیکھ سکتی ہیں۔ ویب ماہرین کو توقع ہے کہ آئندہ آنے والے سالوں میں کلاس رومز کیمروں کے استعمال میں اضافہ ہوگا۔ جب کہ Chon Poh Meng جو کہ سنگاپور کے ایک سیکنڈری سکول کے پرنسپل ہیں کا کہنا ہے کہ سکولوں میں اس تجربہ کا آغاز محتاط طریق پر کرنا ہوگا کیونکہ اس طرح Privacy کا مسئلہ کھڑا ہوگا۔ Chon کا اپنا سکول پہلے ہی سے انٹرنیٹ کے ذریعے سے طلبہ کے والدین سے منسلک ہے۔ بہت سے اساتذہ شروع شروع میں اس احساس کی وجہ سے کہ والدین کسی بھی وقت ممکنہ طور پر ان کا مشاہدہ کر رہے ہیں غیر آرام دہ محسوس کریں گے۔

پولیس کے ساتھ گشت کریں

ایک ایسا ٹیلی ویژن شو بھی ہے جس کے ذریعہ سے آپ

زناٹے بھرتی ہوئی پولیس کی تیز رفتار کار میں امریکہ کے مختلف علاقوں میں پھر سکتے ہیں۔ لیکن جب تک آپ حادثہ کی جگہ پر پہنچتے ہیں وہ واقعہ پرانا ہو چکا ہوتا ہے۔ آپ صرف www.policescanner.com پر جائیں اور براہِ راست لاس اینجلس کی پولیس کی گشت کے ذریعے مناظر دیکھیں۔ اسی طرح آپ نیویارک اور پلانو ٹیکساس کی سائیٹس بھی دیکھ سکتے ہیں۔ بہت سے ریڈیو سٹیشن بھی انٹرنیٹ سے منسلک ہو رہے ہیں۔ اگر آپ تمام دنیا کی خبریں سننا چاہتے ہیں تو world radio network یعنی www.wrn.org پر وزٹ کریں۔

اپنا پرانا دوست تلاش کریں

Okada Rie ٹوکیو کے ان لاکھوں میں سے ایک شخص ہیں جو کہ اپنے پرانے رشتہ داروں اور دوستوں کی تلاش کیلئے انٹرنیٹ استعمال کرتے ہیں۔ Okada ہمیشہ سے سوچتا تھا کہ اس کا وہ دوست جو کہ Massachusetts University کے ہوسٹل کے کمرے میں اس کے ساتھ رہتا تھا کہاں ہے۔ ان دونوں کا رابطہ گزشتہ 6 سالوں سے منقطع تھا اور اس دوران Okada سنگاپور منتقل ہو گیا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے Okada کا رابطہ اس شخص کے ساتھ ہوا جس نے اسے اپنے اسی دوست کی یاد دلائی۔ اپنی دوستی کو پھر سے زندہ کرنے کیلئے اس نے اپنے ان مشترکہ دوستوں سے رابطہ کیا جو کہ امریکہ میں مقیم تھے۔ لیکن وہ اس دوست سے رابطہ کرنے کی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر اس نے ایسی site تلاش کی جو کہ انٹرنیٹ پر اپنے دوستوں کو تلاش کرنے میں مدد دیتی ہے۔ چند ہی سیکنڈوں میں people.yahoo.com نے Nina نام والا user اور اس کا E-mail کا پتہ دکھا دیا۔ Okada نے اسے E-mail بھیجی اور اپنے دوست سے اسے دو دنوں میں جواب بھی مل گیا۔ Nina نے اسے بتایا کہ وہ نیپال میں ہے اور اپنی Phd کیلئے فیلڈ ریسرچ کر رہا ہے۔ Okada کا تو اس E-mail کو دیکھ کر خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

آن لائن نوکری حاصل کریں

پچھلے سال ہزاروں ایشیائی باشندوں نے نوکری کے حصول کے لئے ورلڈ وائیڈ ویب کا استعمال کیا۔ ایشیا اور تمام دنیا میں ایسی سینکڑوں سائٹس موجود ہیں جن میں زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والی jobs کی لسٹیں موجود ہیں۔ آپ www.jobasia.com پر جائیں جس پر 80 سے زیادہ صنعتوں سے تعلق رکھنے والی jobs ہیں۔ اگر آپ جرائم کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو Hongkong پولیس فورس میں ملازمت کیلئے www.info.gor.hk/police پر آن لائن درخواست دیں۔ لیکن "Spider" پروگرامز سے ہوشیار رہیں جو کہ آپ کے Resume آپ کی مرضی کے بغیر ایک سائیٹ سے دوسری سائیٹ پر بھیجتے ہیں اور middle man کا کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کا نقصان یہ ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کا resume آپ کے موجودہ boss کے پاس آ جائے۔ Palm Dixon جو کہ Job Searching Online for Dummies کے مصنف ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہر ماہ مجھے ایک قاری کا ایسا پیغام ملتا ہے کہ جس کی نوکری Net پر درخواست بھیجنے سے چلی گئی۔

آن لائن گاڑی خریدیں

Internet پر آپ کاروں کی خرید و فروخت بھی کر سکتے ہیں۔ Rboerto Satiada جو کہ ایک ماہی گیر ہے سیلز مین سے نفرت کی حد تک بیزار تھا اور اسے کار بھی ضرور لینی تھی۔ اس نے www.hondakal.com پر رابطہ کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے کاروں کے بہت سے ماڈل اور ان کی قیمتیں اس کے سامنے آ گئیں۔ پھر اس نے Toyota کی ویب سائیٹ global.toyota.com پر جا کر قیمتوں کا تقابلی

جائزہ لیا۔ آخر کار Honda نے Satiada Civic-LXi کار کا انتخاب کیا۔ اس سے پہلے اس نے اس کار کی تصاویر اور انجن کی کارکردگی کی تفصیلات اکٹھی کیں۔

امریکہ میں فون پر فری کال کریں

آپ امریکہ میں اپنے کسی عزیز رشتہ دار سے صرف Internet چارجز ادا کر کے فری کال کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے ضروری نہیں کہ امریکہ میں مقیم رشتہ دار کے پاس کمپیوٹر ہو بلکہ اگر آپ کے پاس ایک کمپیوٹر اور سپیکر، مائیکروفون، ساؤنڈ کارڈ اور ایک ایسا سافٹ ویئر ہو جو کہ مختلف سائٹس مثلاً Microsoft.com یا www.vocaltec.com سے download کیا جا سکتا ہے اس طرح آپ بڑے آرام سے امریکہ بات کر سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آواز کا معیار عام ٹیلی فون کی آواز سے بہتر نہ ہو۔

کچھ کمپنیاں تو آپ کو یہ سہولت بھی فراہم کرتی ہیں کہ آپ اپنے فون سے دوسرے فون پر طویل فاصلے کی کال کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کال کا بل بہت کم ہوتا ہے کیونکہ یہ کال براستہ انٹرنیٹ ہوتی ہے۔ ابھی تک Asia Pacific Region میں انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کی تعداد تقریباً 4 کروڑ ہے اور یہ تعداد 2004ء تک 14 کروڑ 10 لاکھ تک پہنچ جانے کا امکان ہے یہ اعداد و شمار International Data Corporation کے فراہم کردہ ہیں۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ آئندہ آنے والے چند سالوں میں بہت سے ایشیائی اپنا زیادہ تر وقت انٹرنیٹ کے ذریعے خرید و فروخت، بینکنگ، سرمایہ کاری اور تعلیم کے حصول کیلئے صرف کر رہے ہونگے۔ اگر آپ انٹرنیٹ پر کچھ بھی نہیں کر سکتے ہیں یا کچھ بھی تلاش نہیں کر سکتے تو قوی امید ہے کہ آئندہ آنے والے کل میں ضرور کر سکیں گے۔

☆☆☆

قائدین مجالس اور ناظمین مال توجہ فرمائیں

وصولی سالِ رواں

امسال مجالس کو سو فیصد وصولی پر سند خوشنودی دی جائے گی جن کا

(۱) بجٹ معیاری ہو گا

(۲) ہر خادم کے بجٹ اور وصولی کی تفصیل

یا

قیادت ضلع سے تصدیق مرکز بھجوائیں گی کہ ان کا کوئی خادم بقایا دار نہیں۔ کوشش فرمائیں کہ آپ کی مجلس یہ سند خوشنودی جلد سے جلد حاصل کرنے کی حقدار قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

بڑی مجالس وصول شدہ رقوم براہِ راست مرکز ارسال کر کے ضلع کو اس کی رپورٹ مہیا کر دیا کریں۔

بجٹ سالِ نو

سالِ نو کے بجٹ کی تیاری کے لئے نئے فارم تیار کئے گئے ہیں۔ اِن پر درج ہدایات کا بغور مطالعہ کر کے انہیں درست طریق پر پُر کروا کے بروقت مرکز ارسال کر دیں۔ ایک ایک خادم سے پوچھ کر اس کی درست آمدنی درج کروائیں۔ کوئی خادم بجٹ میں شامل ہونے سے رہ نہ جائے۔ امسال انصار میں جانے والے خدام کا نومبر دسمبر کا بجٹ ضرور بنائیں نو مبائع خدام و اطفال کو بھی حسب استطاعت بجٹ میں ضرور شامل کریں۔ شکریہ

(مہتمم مال مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان)

☆☆☆

غزل

وہ زندگی کی تلخیوں سے ہار تھک کے رہ گئے
جو زر نگار پلّوؤں کے ساتھ لگ کے رہ گئے

تھی دو قدم کے فاصلے پہ منزلِ مراد، پر
یہ پاؤں زلفِ یار میں اٹک کے رہ گئے

محبتوں کے دائرے تھے پھیلتے چلے گئے
جو نفرتوں کے ڈھیر تھے سلگ کے رہ گئے

رفاقتوں کے سلسلے لقائے حسنِ یار تک
رقابتوں کے قافلے بھٹک کے رہ گئے

کچھ ایسے سلسلے ہوئے کہ بڑھ گئیں مسافتیں
نظر نظر اداس، دل دھڑک کے رہ گئے

تمہارا انتظار تھا وہ میکدے میں رات بھر
کہ جام میری آنکھ سے چھلک کے رہ گئے

ہمارے اشک جگمگا اُٹھے ترے وجود میں
حضورِ شب اگرچہ ہم تڑپ کے رہ گئے

(ڈاکٹر حافظ فضل الرحمٰن بشیر صاحب۔ تنزانیہ)

حضرت مصلح موعود اور مطالبات تحریک جدید

(مکرم راجہ منیر احمد خان صاحب۔ نائب وکیل المال اول)

اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ تحریک جدید کی عظیم سکیم کا آغاز ۱۹۳۴ء میں ہوا۔ سیدنا حضرت المصلح الموعود نے اس غیر معمولی تحریک کو پیش کرنے کے موقع کو اپنی زندگی کی بہترین گھڑیوں میں سے تعبیر فرمایا۔

آپ فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ نے مجھے اپنی زندگی میں جو خاص کامیابیاں اپنے فضل سے عطا فرمائیں ہیں اُن میں سے ایک اہم کامیابی تحریک جدید کو عین وقت پر پیش کر کے مجھے حاصل ہوئی اور یقیناً میں سمجھتا ہوں جس وقت میں نے یہ تحریک کی وہ میری زندگی کے خاص مواقع میں سے ایک موقع تھا اور میری زندگی کی اُن بہترین گھڑیوں میں سے ایک گھڑی تھی جبکہ مجھے اس عظیم الشان کام کی بنیاد رکھنے کی توفیق ملی"۔(۱)

تحریک جدید کے بابرکت ہونے پر رؤیا و کشوف اور الہامات

سیدنا حضرت المصلح الموعود کے ذریعہ جس عظیم الشان کام کی بنیاد رکھی گئی اس کے بابرکت اور منجانب اللہ ہونے پر بکثرت رؤیا و کشوف اور الہامات نے گواہی دی چنانچہ ایک موقع پر اس شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

"بیسیوں رؤیا و کشوف اور الہامات اس تحریک کے بابرکت ہونے کے متعلق لوگوں کو ہوئے۔ بعض کو رؤیا میں رسول کریم ﷺ نے بتایا کہ یہ تحریک بابرکت ہے اور بعض کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بتایا کہ یہ تحریک بابرکت ہے اور بعض کو الہامات ہوئے کہ یہ تحریک بہت مبارک ہے۔ غرض یہ ایک ایسی تحریک ہے جس کے بابرکت ہونے کے متعلق بیسیوں رؤیا و کشوف اور الہامات کی شہادت موجود ہے"۔(۲)

تحریک جدید کی اس روحانی سکیم کو حضور نے متفرق مطالبات کی صورت میں جماعت کے سامنے پیش فرمایا اور پھر ان مطالبات کو جس غیر معمولی شان کے ساتھ آپ نے خود اپنی ذات میں پورا فرمایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

سادہ زندگی بسر کرنے کا مطالبہ اور حضور کا اپنا نمونہ

تحریک جدید کا مطالبہ سادہ زندگی بسر کرنے کے ذیل میں بالخصوص حضور نے خوراک اور لباس میں سادگی اختیار کرنے پر بہت زور دیا اور اپنے عمل سے ایسا عظیم الشان نمونہ قائم فرمایا جو مشعل راہ کا کام دیتا رہے گا۔ اس ضمن میں سیدنا حضرت المصلح الموعود کا بیان فرمودہ ذیل کا واقعہ حضور کی لباس کے معاملہ میں سادگی کی عکاسی کرتا ہے۔ فرمایا:۔

"کل ہی ایک عجیب اتفاق ہوا جس پر مجھے حیرت بھی آئی۔ ایک دوست ملنے آئے اور انہوں نے ایک تحفہ دیا کہ فلاں دوست نے بھیجا ہے۔ وہ ایک کپڑے کا تھان تھا۔ اُس کے ساتھ ایک خط تھا جس میں اس دوست نے لکھا تھا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ آئے ہیں اور کہا ہے کہ قمیصوں کے لئے کپڑے کی ضرورت ہے۔ بازار سے لادو۔ اس پر میں نے دریافت کیا کہ آپ صاف کپڑا پسند کرتے ہیں یا دھاری دار؟ آپ نے اس کا کوئی جواب لفظوں میں تو نہیں دیا۔ لیکن میرے دل پر یہ اثر ہوا کہ

غزل

وہ زندگی کی تلخیوں سے ہار تھک کے رہ گئے
جو زر نگار پلوؤں کے ساتھ لگ کے رہ گئے

تھی دو قدم کے فاصلے پہ منزل مراد، پر
یہ پاؤں زلف یار میں اٹک اٹک کے رہ گئے

محبتوں کے دائرے تھے پھیلتے چلے گئے
جو نفرتوں کے ڈھیر تھے سلگ سلگ کے رہ گئے

رفاقتوں کے سلسلے لقائے حسنِ یار تک
رقابتوں کے قافلے بھٹک بھٹک کے رہ گئے

کچھ ایسے سلسلے ہوئے کہ بڑھ گئیں مسافتیں
نظر نظر اداس' دل دھڑک دھڑک کے رہ گئے

تمہارا انتظار تھا وہ میکدے میں رات بھر
کہ جام میری آنکھ سے چھلک چھلک کے رہ گئے

ہمارے اشک جگمگا اُٹھے ترے وجود میں
حضورِ شب اگرچہ ہم تڑپ تڑپ کے رہ گئے

(ڈاکٹر حافظ فضل الرحمٰن بشیر صاحب۔ تنزانیہ)

حضرت مصلح موعود اور مطالبات تحریک جدید

(مکرم راجہ منیر احمد خان صاحب۔ نائب وکیل المال اول)

اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ تحریک جدید کی عظیم سکیم کا آغاز ۱۹۳۴ء میں ہوا۔ سیدنا حضرت المصلح الموعود نے اس غیر معمولی تحریک کو پیش کرنے کے موقع کو اپنی زندگی کی بہترین گھڑیوں میں سے تعبیر فرمایا۔

آپ فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ نے مجھے اپنی زندگی میں جو خاص کامیابیاں اپنے فضل سے عطا فرمائیں ہیں اُن میں سے ایک اہم کامیابی تحریک جدید کو عین وقت پر پیش کر کے مجھے حاصل ہوئی اور یقیناً میں سمجھتا ہوں جس وقت میں نے یہ تحریک کی وہ میری زندگی کے خاص مواقع میں سے ایک موقع تھا اور میری زندگی کی اُن بہترین گھڑیوں میں سے ایک گھڑی تھی جبکہ مجھے اس عظیم الشان کام کی بنیاد رکھنے کی توفیق ملی"۔(۱)

تحریک جدید کے بابرکت ہونے پر رؤیا و کشوف اور الہامات

سیدنا حضرت المصلح الموعود کے ذریعہ جس عظیم الشان کام کی بنیاد رکھی گئی اس کے بابرکت اور منجانب اللہ ہونے پر بکثرت رؤیا و کشوف اور الہامات نے گواہی دی چنانچہ ایک موقع پر اس شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

"بیسیوں رؤیا و کشوف اور الہامات اس تحریک کے بابرکت ہونے کے متعلق لوگوں کو ہوئے۔ بعض کو رؤیا میں رسول کریم ﷺ نے بتایا کہ یہ تحریک بابرکت ہے اور بعض کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بتایا کہ یہ تحریک بابرکت ہے اور بعض کو الہامات ہوئے کہ یہ تحریک بہت مبارک ہے۔ غرض یہ ایک ایسی تحریک ہے جس کے بابرکت ہونے کے متعلق بیسیوں رؤیا و کشوف اور الہامات کی شہادت موجود ہے"۔(۲)

تحریک جدید کی اس روحانی سکیم کو حضور نے متفرق مطالبات کی صورت میں جماعت کے سامنے پیش فرمایا اور پھر ان مطالبات کو جس غیر معمولی شان کے ساتھ آپ نے خود اپنی ذات میں پورا فرمایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

سادہ زندگی بسر کرنے کا مطالبہ اور حضور کا اپنا نمونہ

تحریک جدید کا مطالبہ سادہ زندگی بسر کرنے کے ذیل میں بالخصوص حضور نے خوراک اور لباس میں سادگی اختیار کرنے پر بہت زور دیا اور اپنے عمل سے ایسا عظیم الشان نمونہ قائم فرمایا جو مشعل راہ کا کام دیتا رہے گا۔ اس ضمن میں سیدنا حضرت المصلح الموعود کا بیان فرمودہ ذیل کا واقعہ حضور کی لباس کے معاملہ میں سادگی کی عکاسی کرتا ہے۔ فرمایا:۔

"کل ہی ایک عجیب اتفاق ہوا جس پر مجھے حیرت بھی آئی۔ ایک دوست ملنے آئے اور انہوں نے ایک تحفہ دیا کہ فلاں دوست نے بھیجا ہے۔ وہ ایک کپڑے کا تھان تھا۔ اُس کے ساتھ ایک خط تھا جس میں اس دوست نے لکھا تھا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ آئے ہیں اور کہا ہے کہ قمیصوں کے لئے کپڑے کی ضرورت ہے۔ بازار سے لا دو۔ اس پر میں نے دریافت کیا کہ آپ صاف کپڑا پسند کرتے ہیں یا دھاری دار؟ آپ نے اس کا کوئی جواب لفظوں میں تو نہیں دیا۔ لیکن میرے دل پر یہ اثر ہوا کہ

دھاری دار آپ کو پسند نہیں اور اس خواب کو پورا کرنے کے لئے میں یہ کپڑا بھیجتا ہوں۔ میں نے وہ تھان لا کر گھر میں دیا کہ کسی نے بھیجا ہے اور اس سے قمیصیں بنوائی جائیں۔ انھوں نے اسے لے کر کہا کہ الحمد للہ چار سال کے عرصہ میں آپ نے قمیصوں کے لئے کپڑا نہیں خریدا تھا اور آپ کی پہلی قمیص ہی سنبھال کر اب تک کام چلایا جا رہا تھا یا ایک دو قمیصوں کے کپڑوں سے جو کوئی تحفہ کے طور پر دے جاتا تھا۔ اب یہ مشکل دور ہوئی! تو خود میں نے کپڑوں میں بہت احتیاط سے کام لیا ہے"۔ (۳)

پھر دوسروں سے آنے والے زائد از ضرورت تحائف کے بارہ میں بھی آپ نے ہدایت دے رکھی تھی کہ وہ غریبوں کو بھجوا دیئے جایا کریں چنانچہ انہیں دنوں فرمایا۔

"میں نے ھدایا کو استعمال کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ مگر جب وہ میرے سامنے لائے جاتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ ایک سے زیادہ چیزیں کیوں ہیں؟ کہا جاتا ہے کہ یہ کسی نے تحفۃً بھیج دیا تھا۔ تو میں کہتا ہوں کہ ہمارے تعلقات تو ساری جماعت سے ہیں۔ اس لئے ہمارے ہاں تو ایسی چیزیں روز ہی آتی رہیں گی۔ اس لئے جب ایسی چیزیں آئیں تو کسی غریب بھائی کے ہاں بھیج دیا کرو۔ ضروری تو نہیں کہ سب تم ہی کھاؤ۔ اس سے غربا سے محبت کے تعلقات بھی پیدا ہو جائیں گے اور ذہنوں میں ایک دوسرے سے اُنس ہوگا"۔ (۴)

حضرت المصلح الموعود ذاتی طور پر کتنی سختی سے مطالبات تحریک جدید پر کار بند رہے اس کا کچھ اندازہ حضرت سیدہ مہر آپا (حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) کے درج ذیل بیان سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ آپ تحریر فرماتی ہیں۔

"ڈلہوزی کا واقعہ ہے کہ آپ میز پر کھانا کھانے کیلئے تشریف لائے۔ تھوڑی دیر میں کیا دیکھتی ہوں کہ آپ خاموشی سے بغیر کھانا کھائے اپنے کمرے میں چلے گئے ہیں۔ میں کچھ نہ سمجھ سکی کہ آپ کی ناراضگی کی وجہ کیا ہے؟ سب حیران تھے کہ اب پھر تمام دن فاقہ سے رہیں گے اور کام کی اس قدر بھرمار ہے کہیں آپ کو ضعف نہ ہو جائے۔ آخر میرے پوچھنے پر حضرت بڑی آپا جان (امی جان) نے بتایا کہ حضرت اقدس نے اپنے کمرے میں جا کر چٹ بھجوائی ہے کہ میں نے تحریک جدید کے ماتحت روکا ہوا ہے کہ میز پر صرف ایک ڈش ہوا کرے۔ آج میں نے ایک کی بجائے تین ڈش دیکھے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ میں کھانا ہرگز نہ کھاؤں گا"۔ (۵)

تحریک جدید کا مطالبہ مالی قربانی میں حضور کا حصہ

تحریک جدید کے مالی جہاد میں سیدنا حضرت المصلح الموعود نے ذاتی طور پر جس شان سے حصہ لیا اُس کا اندازہ اس مالی قربانی سے بخوبی کیا جا سکتا ہے جو حضور نے تحریک جدید کے آغاز سے لے کر اپنی وفات تک پیش فرمائی نیز اس عظیم الشان مالی قربانی کا سلسلہ حضور ہی کے نام سے تا حال بغیر کسی وقفہ اور تعطل کے جاری ہے۔ سیدنا حضرت المصلح الموعود نے ۱۹۳۴ء تا ۱۹۶۵ء مبلغ دو لاکھ چون ہزار چار صد اڑتالیس روپے (-/۲،۵۴،۴۴۸) چندہ تحریک جدید ادا فرمایا اس کے علاوہ وقف جائیداد کے مطالبہ پر عمل کرتے ہوئے ایک نہایت قیمتی ذاتی جائیداد ملکیتی -/۱۵۲۷۰۰ روپے بطور عطیہ تحریک جدید کو عنایت فرمائی گویا مجموعی طور پر چار لاکھ سات ہزار ایک سو اڑسٹھ روپے (-/۴۰۷۱۶۸ روپے) اُس زمانہ میں آپ نے چندہ ادا فرمایا جو یقیناً آج کا کروڑ ہا روپیہ بنتا ہے۔

سیدنا حضرت المصلح الموعود کا اپنی زندگی میں آخری سالانہ وعدہ تحریک جدید ۱۲۵۰۰ روپے تھا۔ (جو آج کا لاکھوں روپیہ بنتا ہے) اور یہ چندہ بھی آج تک ادا ہو رہا ہے بلکہ اس

سے کہیں بڑھ کر آپ کے اہل خاندان واحباب کی طرف سے ادائیگی ہو رہی ہے۔ اس طرح حضور کی وہ مقدس خواہش بھی بطریق احسن پوری ہو رہی ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ کا جو بھی کام ہو اُس میں حضور کا حصہ ہو اور وہ حضور کے ہاتھوں سے انجام پائے۔(۶)

حضرت المصلح الموعود اور مطالبہ وقف اولاد

وقفِ زندگی کے بارہ میں حضور کا ارشاد ہے۔

"ایمان کی کم سے کم علامت یہ ہونی چاہئے کہ ہر خاندان ایک لڑکا دے"۔(۷)

سیدنا حضرت المصلح الموعود نے اپنے سب بچوں کو مستقل طور پر وقف فرما دیا اور اپنی جیب سے اُن کے تعلیمی اخراجات ادا فرمائے۔ اور اس کے بعد ان کو سلسلہ احمدیہ کے سپرد فرما دیا۔ چنانچہ حضور نے ایک بار فرمایا کہ:-

"میں نے اپنا ہر ایک بچہ خدا تعالیٰ کے دین کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ میاں ناصر احمد وقف ہیں اور دین کا کام کر رہے ہیں۔ چھوٹا بھی وقف ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ اسے کس طرح دین کے کام پر لگایا جائے۔ اس سے چھوٹا ڈاکٹر ہے۔ وہ امتحان پاس کر چکا ہے اور اب ٹریننگ حاصل کر رہا ہے تا سلسلہ کی خدمت کر سکے۔ باقی چھوٹے پڑھ رہے ہیں اور وہ سب بھی دین کے لئے پڑھ رہے ہیں۔ میرے تیرہ لڑکے ہیں اور تیرہ کے تیرہ دین کے لئے وقف ہیں"۔(۸)

ایک اور موقع پر فرمایا:-

"آخر میرے تیرہ بیٹوں نے زندگیاں وقف کی ہیں یا نہیں...... وہ جانتے ہیں کہ اگر اُنہوں نے وقف چھوڑا تو میں نے ان کی شکل نہیں دیکھنی۔ میرے ساتھ اُن کا کوئی تعلق نہیں رہے گا"۔(۹)

وقف زندگی اور حضرت المصلح الموعود کا ایک عہد

حضور نے ۱۹۳۹ء میں ایک عہد بھی کیا تھا جو حضور کی ایک نوٹ بک (جو حضور عموماً اپنے کوٹ کے اندر کی جیب میں یادداشت وغیرہ لکھنے کے لئے رکھا کرتے تھے) پر آپ کے قلم سے درج ہے اور وہ یہ ہے۔

"آج چودہ تاریخ کو (مئی ۱۹۳۹ء) میں مرزا بشیر الدین محمود احمد اللہ تعالیٰ کی قسم اس پر کھاتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسل سیدہ سے جو بھی اپنی زندگی سلسلہ کی خدمت میں خرچ نہیں کر رہا میں اُس کے گھر کا کھانا نہیں کھاؤں گا اور اگر مجبوری یا مصلحت کی وجہ سے مجھے ایسا کرنا پڑے تو میں ایک روزہ بطورِ کفارہ رکھوں گا یا پانچ روپے بطور صدقہ ادا کروں گا۔ یہ عہد سرِ دست ایک سال کے لئے ہوگا"۔(۱۰)

حضرت المصلح الموعود اور تحریک جدید کا مطالبہ وقارِ عمل

تحریک جدید کا سولہواں مطالبہ ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالنے سے متعلق ہے۔ اس سلسلہ میں سیدنا حضرت المصلح الموعود فرماتے ہیں:-

"جماعت کے دوست اپنے ہاتھ سے کام کی عادت ڈالیں۔ میں نے دیکھا ہے اکثر لوگ اپنے ہاتھ سے کام کرنا ذلت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ذلت نہیں بلکہ عزت کی بات ہے...... یہ تحریک میں قادیان سے شروع کرنا چاہتا ہوں اور باہر گاؤں کی احمدیہ جماعتوں کو (بھی) ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اپنی (بیوت الذکر) کی صفائی اور لپائی وغیرہ خود کیا کریں اور اس طرح ثابت کریں کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنا وہ عار نہیں سمجھتے۔ شغل کے طور پر لوہار نجار اور معمار کے کام بھی مفید ہیں۔ رسول کریم ﷺ اپنے ہاتھ سے کام کیا کرتے تھے...... یہ تربیت

ثواب اور رُعب کے لحاظ سے بھی بہت مفید چیز ہے۔ جو لوگ یہ دیکھیں گے کہ ان کے بڑے بڑے بھی مٹی ڈھونا اور مشقت کے کام کرنا عار نہیں سمجھتے۔ اُن پر خاص اثر ہوگا"۔ (۱۱)

ہاتھ سے کام کرنے کا عملی نمونہ پیش کرنے کے لئے حضور نے "وقارِ عمل" کا نہایت دلکش طریق جاری فرمایا۔ حضور اپنے ذاتی نمونہ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ:۔

"جب پہلے دن میں نے کسّی پکڑی اور مٹی کی ٹوکری اُٹھائی تو کئی مخلصین ایسے تھے جو کانپ رہے تھے اور وہ دوڑے دوڑے آئے اور کہتے حضور تکلیف نہ کریں ہم کام کرتے ہیں اور میرے ہاتھ سے کسّی اور ٹوکری لینے کی کوشش کرتے۔ لیکن جب چند دن میں نے ان کے ساتھ مل کر کام کیا تو پھر وہ عادی ہو گئے اور وہ سمجھنے لگے کہ یہ ایک مشترکہ کام ہے جو ہم بھی کر رہے ہیں اور یہ بھی کر رہے ہیں"۔ (۱۲)

تحریک جدید کے اجراء سے پہلے اور بعد کی زندگی

سیدنا حضرت المصلح الموعود کی ذات اقدس پر تحریک جدید کی برکات نے غیر معمولی اثر دکھایا۔ اُس کا بیان بھی حضور ہی کے الفاظ میں پیش ہے۔ فرمایا:

"بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی رحمت انسانی قلب پر تصرف کرتی اور روح القدس اس کے تمام ارادوں اور کاموں پر حاوی ہو جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں میری زندگی میں بھی یہ ایسا ہی واقعہ تھا جب کہ روح القدس میرے دل پر اترا اور وہ میرے دماغ پر ایسا حاوی ہو گیا کہ مجھے یوں محسوس ہوا گویا اس نے مجھے ڈھانک لیا ہے اور ایک نئی سکیم ایک دنیا میں تغیر پیدا کرنے والی سکیم میرے دل پر نازل کر دی اور میں دیکھتا ہوں کہ میری تحریک جدید کے اعلان سے پہلے کی زندگی اور بعد کی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قرآنی نکتے مجھ پر پہلے بھی کھلتے تھے اور اب بھی کھلتے ہیں مگر پہلے کوئی معین سکیم میرے سامنے نہیں تھی جس کے قدم قدم کے نتیجہ سے میں واقف ہوں اور میں کہہ سکوں کہ اس رنگ میں ہماری جماعت ترقی کرے گی مگر اب میری حالت ایسی ہی ہے کہ جس طرح ایک انجینئر ایک عمارت بناتا اور اُسے یہ علم ہوتا ہے کہ یہ عمارت کب ختم ہو گی۔ اس میں کہاں کہاں طاقچے رکھے جائیں گے۔ کتنی کھڑکیاں ہوں گی۔ کتنے دروازے ہونگے۔ کتنی اونچائی پر چھت پڑے گی۔ اسی طرح دنیا میں (دین حق) کی فتح کی منزلیں اپنی بہت سی تفاصیل اور مشکلات کے ساتھ میرے سامنے ہیں۔ دشمنوں کی بہت سی تدبیریں میرے سامنے بے نقاب ہیں۔ اس کی کوششوں کا مجھے علم ہے اور یہ تمام امور ایک وسیع تفصیل کے ساتھ میری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں"۔ (۱۳)

حضرت المصلح الموعود کی خدام کو ہدایات

فرمایا

"پروگرام تحریک جدید کا ہی ہوگا اور تم تحریک جدید کے والنٹیئرز ہوگے۔ تمہارا فرض ہوگا کہ تم اپنے ہاتھ سے کام کرو۔ تم سادہ زندگی بسر کرو۔ تم دین کی تعلیم دو۔ تم نمازوں کی پابندی کی نوجوانوں میں عادت پیدا کرو تم (دعوت الی اللہ) کے لئے اوقات وقف کرو"۔ (۱۴)

فرمایا "میں خدام کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ......

اوّل تو نوجوان وعدے کم کرتے ہیں اور پھر وصولی کی طرف توجہ نہیں کرتے حالانکہ نوجوانوں کو زیادہ چست ہونا چاہیئے تھا۔ نوجوانوں پر پژمردگی نہیں ہوتی اور نہ اُن پر خاندان کا بوجھ ہوتا ہے۔ اُنہیں دلیری سے وعدے کرنے چاہئیں اور اُنہیں پورا بھی دلیری سے کرنا چاہیئے"۔ (۱۵)

نیز فرمایا:

"پس جماعت کے نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے اپنے باپ دادوں سے زیادہ قربانی کریں۔ یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ اُن کے وعدے اپنے باپ دادوں سے کم ہوں اور وصولی اُن سے بھی کم ہو"۔ (۱۶)

اللہ کرے ہم سیدنا حضرت المصلح الموعود کے نمونہ کو مشعل راہ بناتے ہوئے مطالبات تحریک جدید کی تعمیل و تکمیل کے لئے کما حقہ ہر نوع کی قربانیاں پیش کر کے سرخرو ہوتے رہیں۔ اور حسنات دارین کے وارث ہوں۔ آمین اللھم آمین

فہرست حوالہ جات

۱۔ الفضل ۸ فروری ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۰ (تقریر فرمودہ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۵ء) بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۸ صفحہ ۲

۲۔ الفضل ۲۱ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۵ کالم ۲ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۹ء) بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۸ صفحہ ۴

۳۔ الفضل ۲ دسمبر ۱۹۳۸ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد ۳ صفحہ ۳۳۱

۴۔ الفضل ۱۷ جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ کالم ۱ بحوالہ سوانح فضل عمر جلد ۳ صفحہ ۳۲۶

۵۔ الفضل ۲۶ مارچ ۱۹۶۶ء صفحہ ب کالم ۲، ۳ بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۸ صفحہ ۴۹

۶۔ بحوالہ سوانح فضل عمر جلد ۳ صفحہ ۳۳۲

۷۔ الفضل ۱۰ جنوری ۱۹۴۵ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد ۳ صفحہ ۳۲۹

۸۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۴ء صفحہ ۷۵ بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۸ صفحہ ۵۰

۹۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۴ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد ۳ صفحہ ۳۲۹

۱۰۔ الفضل ۲۵ مارچ ۱۹۶۶ء بحوالہ سوانح فضل عمر جلد ۳ صفحہ ۳۳۰

۱۱۔ الفضل ۹ دسمبر ۱۹۴۴ء بحوالہ فضل عمر جلد ۳ صفحہ ۳۱۶

۱۲۔ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۷ء صفحہ ۱۷ بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۸ صفحہ ۵۰

۱۳۔ خطبہ جمعہ ۱۷ مارچ ۱۹۳۹ء مطبوعہ الفضل ۱۷ اپریل ۱۹۳۹ء بحوالہ "مشعل راہ" صفحہ ۱۹۰ جلد اوّل

۱۴۔ خطبہ جمعہ یکم اپریل ۱۹۳۸ء مطبوعہ الفضل ۱۰ اپریل ۱۹۳۸ء بحوالہ "مشعل راہ" صفحہ ۲۸، ۲۹ جلد ۱

۱۵۔ فرمودہ ۲۶ نومبر ۱۹۵۴ء مطبوعہ الفضل یکم دسمبر ۱۹۵۴ء بحوالہ "مشعل راہ" صفحہ ۷۰۶ جلد اوّل

۱۶۔ فرمودہ ۱۷ دسمبر ۱۹۵۴ء مطبوعہ الفضل ۲۲ دسمبر ۱۹۵۴ء بحوالہ "مشعل راہ" جلد اوّل صفحہ ۱۷

تازہ لہو سے صحنِ معابد سجا دیئے

ہم نے عبادتوں کے قرینے سکھا دیئے
تازہ لہو سے صحنِ معابد سجا دیئے
ہمت ہے گر ہوا تو بجھا کر دکھا ہمیں
اپنے لہو سے ہم نے دیئے جو جلا دیئے
قربانیوں کے دَور میں ثابت قدم رہے
صبر و رضا سے ظلم کے چھکے چھڑا دیئے
تیشے بغیر عزم و ہنر کے کمال سے
ہم نے پہاڑ کاٹ کے رستے بنا دیئے
تم سے یوں بے رخی کی توقع نہ تھی مجھے
تم نے تو ایک پل میں زمانے بھلا دیئے
قدسی ہو جس کو شوق وہ کرتا پھرے تلاش
ہم نے تو کاغذوں میں خزانے چھپا دیئے

(عبدالکریم قدسی صاحب)

☆☆☆

جو طبع زاد نظمیں پیش کیں ان میں اس بلا کی سادگی و پُرکاری تھی کہ طرزِ جدید کے پرستاروں میں نادر کے نام کی دھوم مچ گئی۔

نادر کی مشہور نظمیں

ان کی نہایت خوبصورت، سبک اور شگفتہ نظمیں بہت مشہور ہوئیں جن میں "اکثر شب تنہائی میں"۔ "رات کے بے چین گھنٹے"۔ "شاعری"۔ "اے ہمسفر میرے سینے میں دل نہیں"۔ "بوڑھے دنیا پرست کی موت"۔ "حسن و عشق" وغیرہ جیسی بے مثال نظمیں شامل ہیں۔

نادر کے کلام میں سادگی کے ساتھ ساتھ فکر بلند پرواز کے نمونے بھی نظر آتے ہیں۔ اس رنگ میں "شمع و پروانہ" "شعاعِ امید"۔ "پیکرِ زبان"۔ "فلسفہ شاعری"۔ "سیرِ دریا" وغیرہ ان کی چوٹی کی نظمیں ہیں۔

نادر کے دل میں اپنے ملک کی محبت کا شعلہ بھی موجزن تھا چنانچہ ان کی مشہور نظمیں "مقدس سرزمین"۔ بہارستانِ ربیع" اور "مادرِ ہند" ان کے جذبۂ حب الوطنی پر شاہد ہیں۔

"جذباتِ نادر" اور "لالہ رُخ"

نادر اپنے زمانہ کے معروف رسائل "مخزن"۔ "ادیب" اور "زمانہ" کے محبوب قلمی معاونین میں سے تھے اور ان کی بیشتر نیچرل نظمیں انہیں پرچوں میں چھپی ہیں۔ ان کا مجموعہ کلام "جذباتِ نادر" کے نام سے دو حصوں میں طبع ہو چکا ہے۔ انہوں نے ایک مثنوی لکھی ہے اور اس کا نام "لالہ رُخ" رکھا ہے۔

کلام کی خصوصیات

نادر کے کلام کی ایک خصوصیت درد و اثر ہے اور یہ خصوصیت براہِ راست ان کی پُرسوز طبیعت کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کی سادہ اور شگفتہ زبان بھی قابلِ داد ہے۔ جس نے ان کے فکری نقوش کو بڑے دلکش اور موہ لینے والے انداز میں پیش کرنے میں بڑی معاونت کی۔ ان کی زبان بڑی صاف ستھری اور منجھی ہوئی ہے اس میں تکلف نام کو نہیں۔ کہیں کہیں وہ اپنی ذہانت و پختگی کی بدولت بڑی خوبصورت تشبیہات اور اچھوتی تراکیب استعمال کرتے ہیں۔

نادر کے کلام کی یہ خصوصیات ذیل میں دیے گئے نمونہ کلام میں بھی ظاہر ہیں۔

نمونہ کلام

اب نہ حسرت نہ یاس ہے دل میں
کوئی بھی اس مکان میں نہ رہا
کیا شکایت جو کٹ گئے گاہک
مال ہی جب دکان میں نہ رہا
مر کے رہنا پڑا اب اس میں آہ
جیتے جی جس مکان میں نہ رہا
نادر افسوس قدر دانِ سخن
ایک ہندوستان میں نہ رہا

سہ مصرعی

یہ قصر اور یہ گھر ہے سب چار دن کا
یہ فرشِ معطر ہے سب چار دن کا
تو خاکِ لحد کا بچھونا ہی اچھا

☆

تماشے جہاں کے کبھی کم نہ ہوں گے
زمانہ رہے گا مگر ہم نہ ہوں گے
نہ ہوں ہم، ہمارا نہ ہونا ہی اچھا

☆

کہے جا اسی طرح اشعار نادر!
نہ اشکوں کا ٹوٹے ترے تار نادر!
یہ لڑیوں میں موتی پرونا ہی اچھا

سیرِ دریا

سیرِ دریا، لطفِ کشتی اور گھٹا چھائی ہوئی
بڑھ چلی حد سے جوانی جوش پر آئی ہوئی
دست ہائے گل سے کشتی کو بنا کر مہدِ گل
لے چلا تفریح کو عہدِ شباب اور عہدِ گل
کیا سرور افزا نشاط انگیز چھائی ہے گھٹا
بوندیاں پڑتی ہیں یا کیوڑا چھڑکتی ہے گھٹا
بوئے گل کے مختلف کپڑے بدلتی ہے نسیم
پنکھیاں پھولوں کی گویا منہ پہ جھلتی ہے نسیم
لیتی ہے نظارۂ ہر برگ میں لذّت نگاہ
چاٹتی ہے سبزۂ شاداب پر امرت نگاہ
جس طرح دریا میں موجوں سے کوئی کشتی نشیں
کھیلتا ہو ڈال کر پانی میں دستِ نازنیں
کشتیِ چشمِ طراوت آشنا سے کود کر
تیرتی ہے سبزۂ موّاجِ ساحل پر نظر
دور کوسوں دور جاتی ہے فضائے آب میں
ڈبکیاں کھاتی ہوئی امواج اور گرداب میں

☆☆☆

چین ہے! کیا درحقیقت چین اس کا نام ہے؟
کیا شبابِ چند روزہ کا یہی اک کام ہے؟
عیش کہتا ہے اسے، سمجھا نہ تو مفہومِ عیش
تیرتی ہے بحرِ غم پر کشتیِ موہومِ عیش
تیری کشتی گرچہ او کشتی نشیں! جاتی ہے تیز
کشتیِ عمرِ رواں اس سے کہیں جاتی ہے تیز
بس ہوا و حرص کی موجوں کو اپنے ساتھ روک
ٹھہر، کشتی پھیر، ہتّے چھوڑ، اپنے ہاتھ روک
زورِ طوفاں سے کہیں گرداب میں تو آ نہ جائے
دیکھ ساحل سے کہیں کشتی تری ٹکرا نہ جائے
ہے حبابِ بحر کے مانند انجامِ حیات
ایک غوطہ کھاتے ہی لبریز ہے جامِ حیات
اے حبابِ بحر، اے پروردۂ آغوشِ موج
تیری ہستی اک جنازہ ہے رواں بر دوشِ موج
لذتِ گہوارہ ہے جس کی تجھے ہر لہر میں
ایک تختہ بھی نہ ابھرا ڈوب کر اس بحر میں
دیکھ ہوتی جا رہی ہے اب گھٹا تاریک تر
اور جھونکے آمدِ طوفاں کی دیتے ہیں خبر
روک ہتّے، پھیر رخ کشتی کا ناداں، لوٹ آ
جاں دینے کو نہ جا اے دشمنِ جاں! لوٹ آ

☆☆☆

حسن وعشق

تیرگی صبحِ ازل پر شب کی تھی چھائی ہوئی
دفعۃً اس تیرگی میں محفل آرائی ہوئی
رنگ آمیزی ہوئی اور جلوہ پیرائی ہوئی
اور پھر درکار اک چشمِ تماشائی ہوئی
آفرینش عشق کی خود حسن کی تعریف تھی
ورنہ یہ بزمِ تماشا محفلِ تاریک تھی
دفن تھا زیرِ زمیں گنجینہ اسرارِ حسن
سر بہ مہر اندھیارے تہ خانے میں تھا طومارِ حسن
گرم تھی اندر ہی اندر محفلِ انوارِ حسن
تھا دھواں رہ رہ کے دیتا کوہ آتشبارِ حسن
ناگہاں اک شمع اس محفل میں روشن ہو گئی
ہر شعاع جلوہ باہم جلوہ افگن ہو گئی

ہر وجودِ جلوہ تھا صد مایہ جلوہ بہ حبیب
ہر تماشہ سو طرح سے دل ربا اور دلفریب
ہر ادائے دلربائی غارتِ صبر و شکیب
ایک تو حسن اور پھر اس پر بلا کا جامہ زیب
ذرّے ذرّے سے شرر الفت کا پیدا ہو گیا
آئینے میں حسن اپنا آپ شیدا ہو گیا
جل کے سوزِ شمع پروانہ لگن سے لے اڑا
مر کے بسمل جانِ نو چاکِ کفن سے لے اڑا
ہر گلِ تازہ کو اک بلبل چمن سے لے اڑا
ہر پری کو ایک دیو اس انجمن سے لے اڑا
ذرہ ذرہ سے تھی پیدا شانِ حسن و طورِ عشق
چل گیا اس میکدے میں اک سرے سے دورِ عشق
عشق کس کا؟ عشق مر کر خاک ہو جانے کا عشق!
ڈوب کر یا آہ جل کر پاک ہو جانے کا عشق
آب و آتش پر خس و خاشاک ہو جانے کا عشق!
بحر میں اک دیدۂ نمناک ہو جانے کا عشق
عشق کیا ہے؟ حسن کا اک خونچکاں افسانہ ہے
عشق کا جو ظرف ہے وہ حسن کا پیمانہ ہے

شعاعِ امید

زندگی کیا ہے بس اک دورِ تسلسل کا ہے نام
یہ امیدوں کی سحر اور آہ یہ حرماں کی شام
اک سمندر کا سفر ہے ہم کو اس دن رات میں
تیرتی جاتی ہے کشتی نور اور ظلمات میں
ہٹ گیا پھر ابر اور پھر سایہ افگن ہو گیا
پھر اندھیری چھا گئی پھر روز روشن ہو گیا
اے امید! اے غم غلط کن! اے مسرت آفریں!
اے متاعِ زندگی! اے مایۂ جانِ حزیں!
اے شعاعِ رہنمائے کشتی بحرِ وجود!!
کس قدر ہے قوّت افزا دور سے تیری نمود
لیکن اے امید! تو اتنا تو بتلا دے مجھے
آنیوالی زندگی دیتی ہے کیوں دھوکے مجھے
کون جانے لے چلے کس راہ پر قسمت مجھے
یعنی دے عزت مجھے یا آہ! دے ذلت مجھے
موتیوں کا نرخ اب بازار میں اچھا نہیں
کوڑیوں کے مول کوئی پوچھنے والا نہیں
لائے جنس بے بہا بھی ہم تو کیا لائے یہاں
اٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے یہاں
اس ہجومِ یاس میں دیتی ہے تو ہمّت مجھے
اور کہتی ہے دکھا کر اک درِ دولت مجھے
اپنے گھر کی چار دیواری سے تو باہر نکل
سامنے وہ قدر داں بیٹھے ہیں ان کے پاس چل
بس یہی تیری ادا ہم کو بہت خوش آئی ہے
تو نے اچھی شکل ہی دکھلائی جب دکھلائی ہے
زیں بہارِ روح پرور بلبلِ دل شاد باد
یا رب! ایں معمورۂ امیدِ ما آباد باد
اے مری خوں گشتہ امید! اے مری کھوئی ہوئی!
اے زمانہ کی اندھیری قبر میں سوئی ہوئی!
میری لوحِ دل پہ کندہ سالِ رحلت ہے ترا
اور ہر آنسو مرا تابوتِ میّت ہے ترا
عیش کے تجھ سے کہیں جلسے کہیں ماتم کے ہیں
رونے والے ہنسنے والے سب ترے ہی دم سے ہیں

امدادی کتب

۱۔ جدید شعرائے اردو۔ ڈاکٹر عبدالوحید
۲۔ ہسٹری آف اردو لٹریچر۔ رام بابو سکسینہ

''استاد مرحوم''

(ابن انشاء)

الہ دین نام تھا اور چراغ تخلص۔ وطن مالوف ریواڑی جوگڑ گاؤں کے مردم خیز ضلع میں اہل کمال کی ایک بستی ہے اور آم کے اچار کے لئے مشہور۔ وہاں دھنیوں کے محلے میں ان کی خاندانی حویلی کے آثار اب تک موجود ہیں۔ نگڑ دادا ان کے اپنے فن کے خاتم تھے۔ شاہ غازی اورنگزیب عالمگیر نے شہرہ سنا تو خلعت و پارچہ دے کر دلی بلوایا اور اپنی محل سرا کے لحاف بھرنے پر مامور کیا۔ اللہ دیا نام تھا۔ لیکن نداف الملک کے خطاب سے مشہور تھے۔ دلی میں یہ بارہ برس رہے۔

وجاہت خاندانی کے ساتھ دولتِ روحانی بھی استاد مرحوم کو ورثے میں ملی تھی۔ ننھیال کی طرف سے سولہویں پشت پر ان کا سلسلہ نسب نوگزے پیر سے جا ملتا ہے۔ جن کا مزارِ اقدس پاکستان اور ہندوستان کے قریب قریب ہر بڑے شہر میں موجود ہے اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ انہی دونوں نسبتوں کا ذکر کر کے کبھی کبھی کہا کرتے کہ شاعری میرے لئے ذریعہ عزت نہیں۔ اپنے نام کے ساتھ ننگِ اسلاف ضرور لکھا کرتے۔ دیکھا دیکھی دوسروں نے بھی انہیں یہی لکھنا شروع کر دیا۔

استاد مرحوم کہ پورا نام ان کا حضرت شاہ الہ دین چشتی نظامی ریواڑوی تھا۔ ہمیں ہائی سکول میں اُردو اور فارسی پڑھاتے تھے۔ وطن کی نسبت سے اُردو تو ان کے گھر کی لونڈی تھی ہی' فارسی میں کمال کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ پچیس پشت پہلے ان کے مورثِ اعلیٰ خراسان سے آئے تھے۔ کیوں آئے تھے؟ یہ سوال راقم کے دل میں بھی اکثر اٹھتا تھا۔ آخر ایک روز موقع دیکھ کر پوچھ لیا اور احتیاطاً وضاحت کر دی کہ مقصد اعتراض نہیں دریافت معلومات ہے۔ فرمایا۔ بابر کیوں آیا تھا؟ احمد شاہ ابدالی کیوں آیا تھا؟ اب جو راقم نے اس سوال نما جواب کی بلاغت پر غور کیا تو اپنی کم فہمی پر بے حد شرمندگی ہوئی۔ بابر نہ آتا تو ابراہیم لودھی کس سے شکست کھاتا؟ خاندانِ مغلیہ کہاں سے آتا؟ اتنی صدیاں ہندوستان کی رعایا بادشاہوں کے بغیر کیا کرتی؟ مالیہ اور خراج کس کو دیتی؟ کچھ ایسی ہی حکمت استاد مرحوم کے مورثِ اعلیٰ کے ہندوستان آنے میں ضرور ہوگی جس تک معمولی ذہن کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ خیر یہ ذکر تو ضمناً آ گیا۔ مقصود کلام یہ کہ خراسان کی نسبت سے فارسی ایک طرح ان کے گھر کی زبان تھی۔ عربی کے بھی فاضل تھے اگرچہ باقاعدہ نہ پڑھی تھی۔ عزیزم اسرار احمد کا نکاح خان بہادر ولایت علی کی پوتی سے ہوا تو استاد مرحوم ہی نے نکاح پڑھایا تھا اور کوئی کاغذ پرچہ سامنے رکھے بغیر۔ ماشاءاللہ' استغفراللہ' نعوذ باللہ' لاحول ولاقوۃ الا باللہ اور ایسے ہی کئی اور عربی کے جملے بے تکان بولتے تھے۔ خیر خراسان بھی کہیں عرب ہی کی طرف کو ہے۔ لہذا عربی پر ان کا عبور جائے تعجب نہیں۔ ہاں انگریزی کی لیاقت جو انہوں نے از خود پیدا کی تھی اس پر راقم کو بھی حیرت ہوتی تھی۔ ایک بار دیہاتی منہ اٹھائے ان کی کلاس میں گھس آیا حضرت نے فوراً انگریزی میں حکم دیا۔ گٹ آؤٹ۔ اسے تعمیل کرتے ہی بنی۔ علاقے کا مال افسر انگریز تھا ایک روز سکول میں نکل آیا اور آدھا گھنٹہ گفتگو کرتا رہا۔ استاد مرحوم برابر سمجھتے گئے اور سر ہلاتے گئے۔ بیچ بیچ میں موقع بموقع یس سر اور پلیز پلیز بھی کہتے جاتے تھے۔ پرانے بزرگوں سرسید' حالی' شبلی وغیرہ کے متعلق سنا ہے کہ انگریزی سمجھتے خوب تھے لیکن بولنا پسند نہ کرتے تھے۔ ہمارے استاد کا بھی یہی عمل تھا۔ ہمیں انگریزی میں ان کے تبحر کا پہلے علم نہ تھا۔ ہوا یہ کہ ایک روز ہماری انگریزی کی کلاس میں نکل آئے اور پوچھا لڑکو بتاؤ ماش کی دال کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں؟ سب چپ' کون بتاتا۔ پھر سوال کیا۔ کریلے کی

انگریزی کیا ہے؟ یہ بھی کوئی نہ بتا سکا۔ سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ آخر استاد مرحوم نے بتایا اور "انگلش ٹیچر" کھول کر اس کی تصدیق بھی کرا دی۔ یہ کتاب جو انگریزی کے علم کا قاموس ہے، سفر و حضر میں استاد مرحوم کے ساتھ رہتی تھی اور بڑے بڑے انگریزی دان ان کے سامنے آتے کتراتے تھے کہ جانے کب کس ترکاری کا انگریزی میں نام پوچھ لیں۔ انگریزی تحریر پر ان کی قدرت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ دستخط انگریزی ہی میں کرتے تھے۔

استاد مرحوم نے اہل زبان ہونے کی وجہ سے طبیعت بھی موزوں پائی تھی اور ہر طرح کا شعر کہنے پر قادر تھے۔ اُردو فارسی میں ان کے کلام کا بڑا ذخیرہ موجود ہے جو غیر مطبوعہ ہونے کی وجہ سے اگلی نسلوں کے کام آئے گا۔ اس علم و فضل کے باوجود انکسار کا یہ عالم تھا کہ ایک بار سکول میگزین جس کے یہ نگران تھے۔ ایڈیٹر نے استاد مرحوم کے متعلق لکھ دیا کہ وہ سعدی کے ہم پلہ ہیں۔ انہوں نے فوراً اس کی تردید کی۔ سکول میگزین کا یہ پرچہ ہمیشہ اپنے پاس رکھتے اور ایک ایک کو دکھاتے کہ دیکھو لوگوں کی میرے متعلق یہ رائے ہے حالانکہ من آنم کہ من دانم۔ ایڈیٹر کو بھی جو دسویں جماعت کا طالبعلم تھا بلا کر فہمائش کی کہ عزیزی یہ زمانہ اور طرح کا ہے۔ ایسی باتیں نہیں لکھا کرتے۔ لوگ مردہ پرست واقع ہوئے ہیں۔ حسد کے مارے جانے کیا کیا کہتے پھریں گے۔

اہل علم، خصوصاً شعراء کے متعلق اکثر یہ سنا ہے کہ ہمعصروں اور پیشرووں کے کمال کا اعتراف کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ استاد مرحوم میں یہ بات نہ تھی۔ بہت فراخ دل تھے۔ فرماتے غالب اپنے زمانے کے لحاظ سے بہت اچھا لکھتا تھا۔ میر کے بعض اشعار کی بھی تعریف کرتے۔ امیر خسرو کے بھی معترف تھے۔ برملا کہتے کہ ذہین آدمی تھے اور ان کی کہہ مکرنیاں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ امیر خسرو کی ایک غزل استاد مرحوم کی ایک غزل کی زمین میں ہے۔ فرماتے' انصاف یہ ہے کہ پہلی نظر میں فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون سی بہتر ہے۔ پھر بتاتے کہ امیر خسرو مرحوم سے کہاں کہاں محاورے کی لغزش ہوئی ہے۔

استاد مرحوم کو عموماً مشاعروں میں نہیں بلایا جاتا تھا۔ کیونکہ سب پر چھا جاتے تھے اور اچھے اچھے شاعروں کو خفیف ہونا پڑتا۔ خود بھی نہ جاتے تھے کہ مجھ فقیر کو ان ہنگاموں سے کیا مطلب۔ البتہ حویلی کا مشاعرہ ہوا تو ہمارے اصرار پر اس میں شریک ہوئے اور ہر چند کہ مدعو نہ تھے۔ منتظمین نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ دیوانہ کسمنڈوی' خیال گڑگانوی اور حسرت ہانس بریلوی جیسے اساتذہ اسٹیج پر موجود تھے۔ اس کے باوجود استاد مرحوم کو سب سے پہلے پڑھنے کی دعوت دی گئی۔ وہ منظر اب تک راقم کی آنکھوں میں ہے کہ استاد نہایت تمکنت سے ہولے ہولے قدم اٹھاتے مائیک پر پہنچے اور ترنم سے اپنی مشہور غزل پڑھنی شروع کی۔

ہے رشتہ غم اور دلِ مجبور کی گردن
ہے اپنے لئے اب یہ بڑی دور کی گردن

ہال میں ایک سناٹا چھا گیا۔ لوگوں نے سانس روک لئے۔ استاد مرحوم نے داد کیلئے صاحبِ صدر کی طرف دیکھا لیکن وہ ابھی تشریف نہ لائے تھے۔ کرسی صدارت خالی پڑی تھی۔ دوسرا شعر اس سے بھی زیادہ زوردار تھا۔

صد حیف کہ مجنوں کا قدم اٹھ نہیں سکتا
اور دار پہ حضرتِ منصور کی گردن

دوسرا مصرعہ تمام نہ ہوا تھا کہ داد کا طوفان پھٹ پڑا۔ مشاعرے کی چھت اڑنا سنا ضرور تھا دیکھنے کا اتفاق آج ہوا۔ اب تک شعراء ایک شعر میں ایک مضمون باندھتے رہے ہیں وہ بھی مشکل سے۔ اس شعر میں استاد مرحوم نے ہر مصرعہ میں ایک مکمل مضمون باندھا ہے اور خوب باندھا ہے۔ لوگ اسٹیج کی طرف دوڑے۔ غالباً استاد مرحوم کی پابوسی کیلئے لیکن رضاکاروں نے انہیں باز رکھا۔ اسٹیج پر بیٹھے استادوں نے جو یہ رنگ دیکھا تو اپنی غزلیں پھاڑ دیں اور اٹھ گئے۔ جان گئے تھے کہ اب ہمارا رنگ کیا

جمے گا۔ ادھر لوگوں کے اشتیاق کا یہ عالم تھا کہ تیسرے شعر ہی پر فرمائش ہونے لگی۔ مقطع پڑھئے، مقطع پڑھئے...... چوتھے شعر پر مجمع بے قابو ہو رہا تھا کہ صدر جلسہ کی سواری آ گئی اور منتظمین نے بہت بہت شکریہ ادا کر کے استاد مرحوم کو بغلی دروازے کے باہر چھوڑ کر اجازت چاہی۔ اب ضمناً ایک لطیفہ سن لیجئے جس سے اخبار والوں کی ذہنیت عیاں ہوتی ہے۔ دوسری صبح روزنامہ "پتنگ" کے رپورٹر نے لکھا کہ جن استادوں نے غزلیں پھاڑ دیں تھی وہ یہ کہتے بھی سنے گئے کہ عجب نامعقول مشاعرے میں آ گئے ہیں۔ لوگوں کی بے محابا داد کو اس بدباطن نے ہوٹنگ کا نام دیا اور استاد مرحوم کے اس مصرعہ کو

"صد حیف کہ مجنوں کا قدم اٹھ نہیں سکتا"

بوجہ لاعلمی یا شرارت بجائے توارد کے سرقہ قرار دیا۔ بات فقط اتنی تھی کہ منتظمین نے ایڈیٹر "پتنگ" کے اہل خانہ کو مشاعرے کے پاس معقول تعداد میں نہ بھیجے تھے۔ اگر یہ بات تھی تو اسے منتظمین کے خلاف لکھنا چاہئے تھا نہ کہ استاد مرحوم کے خلاف۔ اور پھر اس قسم کے فقروں کا کیا جواز ہے کہ استاد چراغ شعر نہیں پڑھ رہے تھے روئی دھن رہے تھے۔ صحیح محاورہ روئی دھننا نہیں روئی دھنکنا ہے۔

اس دن کے بعد سے مشاعرے والے استاد مرحوم کا ایسا ادب کرنے لگے کہ استاد اپنی کریم النفسی سے مجبور ہو کر پیغام بھجوا دیتے کہ میں شریک ہونے کیلئے آ رہا ہوں تو وہ خود معذرت کرنے کیلئے دوڑے آتے کہ آپ کی صحت اور مصروفیات اس کی اجازت نہیں دیتیں۔ استاد تو استاد ہیں۔ ہمیں ان کے ناچیز شاگردوں کو بھی رقعہ آ جاتا کہ معمولی مشاعرہ ہے۔ آپ کے لائق نہیں زحمت نہ فرمائیں۔

اپنا کلام مضبوط ولائتی کاغذ پر لکھتے تھے اور جب پورا رجسٹر ہو جاتا تو اس کی جلد بندھوا کر "جلد اوّل" جلد دوم وغیرہ لکھ کر الماری میں سجا دیتے۔ مولانا کے ہاں مخطوطات کا بہت بڑا ذخیرہ تھا اور ایک بات میں تو یہ ذخیرہ برٹش میوزیم، انڈیا آفس، خدا بخش لائبریری وغیرہ کے ذخیروں سے بھی ممیز اور فائق سمجھنا چاہئے۔ ان کتب خانوں میں سب مخطوطات پرانے زمانے کے ہیں۔ بعض تو ہزار ہزار سال پرانے۔ خستہ اور بدرنگ۔ ہاتھ لگاؤ تو مٹی ہو جائیں۔ لیکن استاد مرحوم کے سبھی مخطوطات نہایت اچھی شکل میں تھے اور زیادہ تر ان کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے۔ بیسویں صدی کے مخطوطات کا اتنا بڑا ذخیرہ غالباً کسی کے پاس نہ ہوگا۔ استاد کی چیزیں جو طباعت کے عیب سے آلودہ نہ ہوئیں، اسے بھی راقم مصلحتِ خداوندی سمجھتا ہے۔ اگر سبھی چیزیں چھپ جایا کریں تو قلمی نسخے کہاں سے آیا کریں اور قلمی نسخے نہ ہوں تو لوگ ریسرچ کس چیز پر کریں اور ریسرچ نہ ہو تو ادب کی ترقی رک جائے اور پی ایچ ڈی نقاد پیدا ہونے بند ہو جائیں۔

راقم نے ایک بار عرض کیا کہ ان نوادر کو تو کسی ریسرچ لائبریری میں ہونا چاہئے۔ فرمایا! میرا اپنا یہی خیال تھا اور میں نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو لکھا بھی تھا اور مسودات کی فہرست منسلک کی تھی۔ ان بیچاروں نے شکریہ ادا کیا لیکن معذرت کی کہ فی الحال ہماری لائبریری میں جگہ کی کمی ہے۔ البتہ نعمت اللہ کباڑی مرحوم کہ دہلی کے ایک علم دوست گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اکثر ان کے گھر کے چکر کاٹتے تھے اور مخطوطات جدیدہ و مفیدہ کا یہ سارا ذخیرہ اٹھانے کو تیار تھے۔ اماں بی یعنی استاد مرحوم کی منجھلی اہلیہ نے کئی بار کہا بھی کہ اس وقت اچھا بھاؤ جا رہا ہے تلوا لو لیکن استاد مرحوم نے کبھی لالچ گوارا نہ کیا۔ جواب دیا تو یہی کہ میرا مقصد جلبِ منفعت نہیں، خدمتِ ادب ہے۔

استاد مرحوم کا خط نہایت پاکیزہ اور شکستہ تھا۔ کسی خاص صنعت میں لکھتے تھے۔ جس کا نام اس وقت راقم کے ذہن سے اتر گیا ہے۔ خوبی اس کی یہ ہے کہ صرف لکھنے والا اسے پڑھ سکتا ہے۔ راقم التحریر کے املا میں بھی جو لوگوں کو خصوصیت نظر آتی ہے۔ ادھر ہی کا فیضان ہے۔

طبیعت میں ایجاد کا مادہ تھا۔ لکیر کے فقیر نہ تھے۔ اب اسی لفظ فیضان کو لیجئے۔ اسے وہ ظ سے لکھتے تھے۔ ایک بار طوطارام

صیاد نے اس پر اعتراض بھی کیا۔ یہ صاحب ہوشیار پور کے رہنے والے تھے اور معمولی تعلیم یافتہ تھے۔ استاد مرحوم نے چمک کر جواب دیا۔ یہ ہماری زبان ہے پیارے۔ ہم جیسا لکھیں گے وہی سند ہوگا۔ ماسٹر جی اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔ بعد میں راقم کو استاد مرحوم نے ایک مستند قلمی نسخے میں فیضان ظ سے لکھا ہوا دکھایا۔ اس نسخے کا نام یاد نہیں لیکن کم از کم پچیس سال پرانا ہوگا اور خود استاد مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ ان شہادتوں کے باوجود وسیع القلب اتنے تھے کہ آخر عمر میں فرمایا کرتے۔ ض سے لکھنا بھی غلط نہیں ہے۔ اسی طرح بہت سے اور الفاظ تھے جن کا تلفظ اور املا وہ رواج عام سے ہٹ کر کرتے تھے۔ کوئی انگشت نمائی کرتا تو جواب دیتے کہ ہمارے گڑگاؤں میں یونہی لکھتے اور بولتے ہیں۔ معترض چپ ہو جاتا۔

استاد مرحوم ہاتھ دیکھنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور طبیب حاذق بھی تھے۔ آخر میں طبابت تو انہوں نے ترک کر دی تھی کیونکہ ایک مریض کے رشتہ داروں نے جو ان کے زیر علاج تھا اور ان کی تیر بہدف دوا 'حکمی' کی ایک خوراک کھانے کے بعد خالق حقیقی سے جا ملا تھا۔ بے وجہ ایک فساد کھڑا کر دیا تھا اور نوبت پولیس تھانے تک پہنچی تھی۔ دست شناسی کا شوق البتہ جاری تھا۔ طبابت کی طرح اس فن میں بھی نہ کسی کے شاگرد تھے نہ کوئی کتاب پڑھی۔ خود فرماتے مبدء فیاض کی دین ہے۔ ماضی کا حال نہایت صحت سے بتاتے۔ لیکن اجنبیوں کا ہاتھ دیکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ انہی سے کھلتے جن سے دیرینہ واقفیت اور رسم و راہ ہوتی۔ مستقبل کے بارے میں ان کا اصول تھا کہ لوگوں کو صحیح بات نہ بتانی چاہئے۔ ورنہ ان کا تقدیر اور عالم غیب پر سے ایمان اٹھ جاتا ہے۔ اس فن سے ان کی آمدنی خاصی تھی اور اسی پر قانع تھے۔ اسکول کی تنخواہ بچا کر خدا کی راہ میں لوگوں کو سود پر دے دیتے۔

ایسی دیدہ زیب شخصیتیں چشم فلک نے کم ہی دیکھی ہونگی جیسے استاد چراغ............ تھے۔ قد پانچ فٹ سے بھی نکلتا ہوا' جسم بھرا بھرا خصوصاً کمر کے آس پاس۔ سر پر میل خورے کپڑے کی ٹوپی اور اس کے ساتھ کی شیروانی۔ راقم نے کبھی ان کو ٹوپی کے بغیر نہ دیکھا۔ ایک بار خود ہی بتایا کہ ایک تو یہ خلاف تہذیب ہے' دوسرے کوے ٹھونگیں مارتے ہیں۔ ٹانگیں چھوٹی چھوٹی تھیں جس کی وجہ سے چال میں بچوں کی سی معصومیت تھی۔ رنگ سرمئی' آنکھیں سرخ و سفید اور پھر جلال ایسا کہ مائیں دیکھ کر بچوں کو چھپا لیتیں تھیں۔ دانت تمباکو کی کثرت سے شہید ہو گئے تھے لہذا تمباکو چھوڑ دیا تھا۔ فقط نسوار کا شوق رکھا تھا۔ چشمہ لگاتے تھے لیکن ہماری طرح چشمے کے غلام نہ تھے۔ بالعموم اس کے اوپر سے دیکھتے تھے۔ سرخ کمر بند میں چابیوں کا گچھا چاندی کے گھنگھروؤں کی طرح بجتا۔ دور ہی سے معلوم ہو جاتا کہ حضرت تشریف لا رہے ہیں۔ ایک ہاتھ میں چھ انگلیاں تھیں۔ اس لئے گیارہ تک با آسانی گن لیتے تھے۔ حواس پر ایسا قابو تھا کہ جس محفل میں چاہتے بیٹھے بیٹھے سو جاتے اور خراٹے لینے لگتے۔ پھر آپ ہی آپ اٹھ بھی بیٹھتے۔ کھانے کا شوق ہمیشہ سے تھا۔ خصوصاً دعوتوں میں۔ فرماتے کھانے میں دو خوبیاں ہونی چاہئیں اچھا ہو اور بہت ہو۔ کھانے کے آداب کا ذکر کرتے تو فرماتے کہ سب سے پہلے شروع کرو اور سب سے آخر میں ختم کرو۔ جس ضیافت میں استاد مرحوم ہوتے۔ لوگ کھاتے کم ان کی طرف رشک سے دیکھتے زیادہ تھے۔ لیکن یہ جوانی کی باتیں ہیں۔ آخر عمر میں پرہیزی کھانا کھانے لگے۔ میزبان کے ہاں کہلوا دیتے کہ یخنی وغیرہ کا انتظام کر لینا اور میٹھے میں سوائے حلوہ کے اور کچھ نہ ہو۔ چوزے کے متعلق فرماتے کہ زود ہضم ہے۔ خون صالح پیدا کرتا ہے۔ دال سے احتراز فرماتے کہ نفخ پیدا کرتی ہے۔

بذلہ سنجی استاد مرحوم کی طبیعت میں ایسے تھی جیسے باجے میں راگ' جیسے تلوار میں جوہر۔ لطائف بیربل و ملا دو پیازہ کے سب لطیفے نوک زبان تھے۔ ان سے محفلوں کو گرماتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ لطیفوں کی تخصیص نہیں۔ لوگ ان کی دوسری باتوں پر بھی ہنستے تھے۔

ایسا بڑا آدمی اور سادگی کا یہ عالم کہ کبھی خیال نہ کیا کہ لباس میلا ہے یا پیوند لگا ہے۔ فرماتے انسان کا مَن اجلا ہونا چاہئے۔ تَن تو ایک عارضی چولا ہے۔ اس مضمون کا کبیر کا ایک دوہا بھی پڑھتے۔ کپڑا پہننے کا سلیقہ تھا۔ ایک کالی اچکن کو پورے بیس برس تک چلایا۔ جب سردی آتی۔ اسی کو جھاڑ کر پہن لیتے۔ فرماتے کپڑے کے دشمن دو ہیں۔ دھوبی اور استری۔ واقعی سچ ہے۔ یہ اچکن جو آخر میں ملگجے رنگ کی ہوگئی تھی اور دور سے چرمی نظر آتی تھی دھوبی اور استری کے ہتھے چڑھ جاتی تو کبھی کی غارت ہوگئی ہوتی۔ ایک روز اسے پہنے راقم کے ہمراہ کسی قوالی میں جا رہے تھے۔ قوالی کرنے نہیں، سننے کہ چوراہے پر رکنا پڑا۔ ایک مرد شریف نے نہ جانے کیا خیال کر کے ان کے ہاتھ پر ٹکہ رکھ دیا۔ راقم کچھ کہنے کو تھا کہ استاد مرحوم نے اشارے سے منع کر دیا اور ٹکہ جیب میں ڈال لیا۔ یہی حال جوتے کا تھا۔ فرماتے جوتا ایسی چیز ہے کہ کبھی ناکارہ ہو ہی نہیں سکتا۔ تلا پھٹ جاتا تو نیا لگوا لیتے۔ اوپر کا حصہ پھٹ جاتا تو اسے بدلوا لیتے۔ داڑھی مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرح پُر رعب، گھنی اور لمبی۔ اسے ترشواتے نہیں تھے۔ فرماتے خدا کا نور ہے۔ بعض لوگوں کو گمان تھا کہ پیسہ بچانے کیلئے ایسا کرتے ہیں لیکن یہ غلط ہے۔ ان کے پاس پیسے بہت تھے اور جمع کرنے کا شوق بھی تھا لیکن پیسے کی طمع ان میں نہ تھی۔

استاد مرحوم یوں تو اپنے سبھی شاگردوں سے محبت کرتے تھے۔ حاجی امام دین سوختہ بیکری والے، خلیفہ اے ڈی مضراب مالک جنٹلمین ہیئر کٹنگ سیلون، حسین بخش مدعی، عرائض نویس وغیرہ سبھی ان کے اخلاق حسنہ اور الطاف عمیم کی گواہی دیں گے لیکن راقم سے ان کو ربطِ خاص تھا۔ فرماتے میرے علم و فضل کا صحیح جانشین تُو ہوگا۔ رات کا کھانا اکثر راقم کے ساتھ کھاتے اور وقت کی پابندی کا لحاظ اس درجہ تھا کہ ادھر ہم دستر خوان پر بیٹھے ادھر استاد مرحوم پھاٹک سے نمودار ہوئے۔ بچوں سے لگاؤ تھا جو بچہ ہمت کر کے ان کے قریب آتا انعام پاتا۔ ایک بار راقم کے بڑے بھتیجے کو ایک اکنی دی تھی۔ وہ اب تک استاد مرحوم کی یادگار کے طور پر رکھے ہوئے ہے۔ ایک دن فرمایا: ایک بات کہوں؟ راقم نے عرض کیا۔ فرمائیے۔ بولے جھوٹ تو نہ سمجھو گے؟ راقم نے کہا خانہ زاد کی کیا مجال! فرمایا۔ تو کان کھول کر سنو۔ میری نظر میں تم جوش، جگر وغیرہ بلکہ آج کل کے سبھی شاعروں سے اچھا لکھتے ہو راقم نے آبدیدہ ہو کر ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور عرض کیا کہ سب آپ کا فیض ہے۔ ورنہ بندہ کچھ بھی نہ تھا۔ قارئین اسی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ استاد مرحوم کی نظر کتنی گہری تھی اور رائے کتنی صائب ان کا یہ قول راقم نے اکثر لوگوں کو سنایا، بعضوں نے جو انصاف پسند تھے۔ اعتراف کیا کہ ہاں ایسے استاد کا ایسا شاگرد کیوں نہ ہو۔ کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے کہا کہ یہ بات شاید استاد نے فقط تمہارا دل بڑھانے کو کہی ہو۔ ان سے راقم کیا بحث کرتا۔ یہی کہا کہ آپ جو فرمائیں بجا ہے لیکن دل میں سوچا کہ جس شخص کو زندگی بھر تملق اور زمانہ سازی سے واسطہ نہ رہا ہو وہ اس بات میں کیوں مبالغہ کرنے لگا اور پھر اپنے ایک ادنیٰ شاگرد کے لئے۔

1963ء عجب ظالم سال تھا۔ اس میں دنیا کو ایک طرف صدر کینیڈی کا داغ دیکھنا پڑا اور دوسری طرف علم و فضل اور جود و سخا کا یہ آفتاب جس نے واقعی چراغ بن کر زمانے کو روشن کیا تھا، غروب ہوگیا۔ عمر عزیز کے 82 برس ابھی پورے نہ ہوئے تھے کچھ دن باقی ہی تھے ہائے استاد۔

تم کون سے ایسے تھے کھرے داد و ستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

وصال تاندلیانوالہ ہی میں ہوا جہاں استاد مرحوم پاکستان بننے کے بعد مقیم ہوگئے تھے اور گھی کی آڑھت کرتے تھے۔ سنا ہے معمولی بخار ہوا تھا اور ہر چند کہ اپنے ہی مجربات سے علاج کیا، طبیعت بگڑتی ہی گئی۔ راقم کو خبر ملی تو دنیا آنکھوں میں اندھیر ہوگئی۔ بے ساختہ زبان سے نکلا۔ ''ہائے الہ دین کا چراغ بجھ گیا'' عدد گنے تو پورے 1383ھ۔ کیسی برجستہ اور سہل ممتنع تاریخ ہے۔ آج استاد مرحوم زندہ ہوتے تو اس کی داد دیتے۔

غزل

خدا سے دُور ہوتا جا رہا ہے
عدُو مغرور ہوتا جا رہا ہے

بقول اُس کے جہاں اُس کا ہے پھر بھی
وہ کیوں معذور ہوتا جا رہا ہے؟

تمہارا شہر تم پہ چار سُو کیوں؟
شب دیجور ہوتا جا رہا ہے

بہت محدود تھا انساں، مگر اب
بہت مغرور ہوتا جا رہا ہے

ہزاروں ساحروں کے درمیان سے
بلند اِک طور ہوتا جا رہا ہے

دُکھوں سے لڑنے والا ایک چہرہ
بڑا پُر نور ہوتا جا رہا ہے

یہ جو کہتا ہے اپنے اِک خدا سے
وہ سب منظور ہوتا جا رہا ہے

میرا گھر غم میں لپٹی روشنی سے
سدا معمور ہوتا جا رہا ہے

طوافِ یار کے سجدوں سے میرا
یہ حج مبرور ہوتا جا رہا ہے

جو کل ناصؔر تھا، تیرے عاشقوں میں
وہ اب منصور ہوتا جا رہا ہے

(فرید احمد ناصؔر)

غزل

اپنے قدموں میں بیٹھ جانے دے
اب کسی سے نہ دل لگانے دے

رحم فرما کے یا گرم کر کے
"دینے والے کسی بہانے دے"

میرے مولا کسی کو دنیا میں
دل نہ مجبور کا دُکھانے دے

کر دے برد و سلام آتش کو
کوئی خرمن نہ اب جلانے دے

ٹکڑے کر دے ستم شعاروں کے
بے مہاروں کو قید خانے دے

کرچیاں ہو نہ جائیں سینے کی
کوئی آنسو مجھے بہانے دے

اس کی تصویر گر نہیں اس میں
آئینے کو ہی ٹوٹ جانے دے

کیا عجب ہے کہ وہ چلے آئیں
مجھ کو اک بار تو بلانے دے

تھام کر ہاتھ پاس بٹھلا لے
جاؤں بھی تو مجھے نہ جانے دے

(محمد طاہر ندیم)

قسط نمبر 3

عربی شاعری

عربی قصائد

(مکرم مقبول احمد ظفر صاحب۔ متخصص ادب عربی)

یہاں ایک دفعہ پھر میں زمانہ عرب کی شاعری کی طرف لوٹتا ہوں جس میں شاعری کی مختلف اصناف میں سے عربی قصیدہ کو مقام اور مرتبہ کے لحاظ سے سب پر سبقت حاصل ہوئی۔

عربی قصیدہ

عربی قصیدہ جس کے لئے ''قصید'' کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے تین حروف ق، ص، د سے نکلا ہے۔ ''القصید من الشعر'' اشعار کے اُس مجموعہ کو کہتے ہیں جس کے اشعار کے تمام اجزاء مکمل ہوں۔ ابو منصور الازھری تہذیب اللغۃ میں لکھتے ہیں۔ اشعار کے ایسے مجموعہ کو ''قصید'' اُس کے اشعار کے وزن کے کامل ہونے اور درست ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں۔ ابن جنیؔ کہتے ہیں کہ اسے قصیدہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کو لکھنے کا شاعر باقاعدہ مقصد یعنی ارادہ کرتا ہے۔ چاہے اُس کے اشعار کم ہوں یا اُن کے اوزان میں کسی قدر اضطراب بھی ہو۔ ابن جنیؔ کا یہ بھی قول ہے کہ تین شعروں کی نظم اور دس یا پندرہ شعروں کی نظم کو عرب قطعۃ کہتے تھے اور جس میں اِن سے زائد اشعار ہوتے تو عرب اُس کو قصیدۃ کہتے۔ اخفش کے مطابق قصیدہ میں بحر طویل اور بحر بسیط اور بحر کامل اور مدید اور وافر اور رجز اور خفیف وغیرہ اپنے کامل اجزاء کے ساتھ آتی ہیں۔

امام جوھری نے ''قصید'' کے لفظ کو ''قصیدۃ'' کی جمع قرار دیا ہے جیسے سفینۃ لفظ کی جمع سفین ہے اور بعضوں نے قصائد اور قصید دونوں کو قصیدۃ کی جمع قرار دیا ہے۔

(دیکھیں لسان العرب تحت مادہ ق۔ص۔د)

اس لغوی بحث سے قطع نظر عربی ادب میں قصیدہ سے مراد کسی شاعر کا کئی اشعار پر مشتمل کلام ہے جو زمانہ جاہلیت میں ایک خاص طرز اور ترتیب اور خاص مضامین پر مشتمل ہوتا تھا۔ قصائد کا مرکزی خیال تو محبوب کا ذکر اُس سے شاعر کی محبت کا بیان اور اُس سے گفتگو ہی ہوتا لیکن ہر شاعر اپنے قصیدہ کے آغاز میں محبوب کی رہائش گاہ اور اس کے آثار پر کھڑے ہوکر اُس کی یاد میں روتا ہے یا صحراؤں اور اُس کے ٹیلوں کا ذکر کرتا ہے اُس کے بعد محبوب تک پہنچنے کے لئے وہ جو سواریاں یعنی اونٹ یا گھوڑا استعمال کرتا ہے۔ ان کی کئی اشعار میں تعریفیں کرتا ہے یہاں سے پھر وہ اپنی قوم کی بہادری اور پھر قوم کے اخلاق اور عادات و رسوم کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ان کا بھی ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہے اور راستے میں آنے والے اشجار اور آسمان اور آسمان کے ستاروں وغیرہ اور تمام اردگرد کے ماحول اور قدرتی مناظر کا بڑی خوبصورتی سے نقشہ کھینچتا ہے۔ قصیدہ کی یہ مندرجہ بالا حالت زمانہ جاہلیت کے تقریباً تمام قصائد میں مشترک ہے اور اسلام کے بعد بنوامیہ کے دور میں بھی شعراء قصیدہ کے اسی انداز کو نقل کرتے رہے۔ بنوعباسیہ میں قصیدۃ کے اندر اہمیت کے لحاظ سے نئے مضامین لائے گئے اور عربی شاعری کے اندر جدت پیدا کرنے والے شعراء پیدا ہوئے۔ جنہیں مُوَلّدین کہتے ہیں جن میں مشہور شعراء بشار اور ابونواس اور ابوتمام وغیرہ ہیں۔

زمانہ جاہلیت کے عربی قصائد کی جمع و تدوین راویوں کی دست برد کی وجہ سے شکوک و شبہات کے دھندلکوں کے نیچے

دبی ہوئی ہے۔عربی شاعری کی باقاعدہ تدوین کا آغاز دوسری صدی ہجری میں ہوا۔ زمانہ جاہلیت اور پھر اسلام کے زمانہ میں بھی شعراء اپنے راویوں کے ذریعہ اپنی شاعری کو محفوظ رکھتے۔ مثلاً مشہور عربی شاعر زھیر بن سلمی اپنے ماموں اوس بن حجر کی شاعری کا راوی تھا اور زھیر بن سلمی کا راوی اس کا بیٹا کعب بن زھیر تھا اور کعب کا راوی الحطیئۃ تھا اور الحطیئۃ کا راوی ھذبۃ بن خشرم اور اس کا راوی جمیل اور جمیل کا راوی کثیر عزۃ تھا راویوں کے اس سلسلہ کی طرح ہر شاعر اپنے ساتھ راوی رکھتا تھا جو اس کی شاعری آگے منتقل کرنے کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ اسلام کی بعثت اور جنگوں اور اسلامی فتوحات کے زمانہ میں کئی راوی مر گئے۔ نیز اس جنگی زمانے میں شاعری اور شاعری کی روایت کی طرف وہ توجہ نہ رہی جو پہلے تھی۔ اموی اور عباسی دور میں جب دوبارہ تمدنی زندگی بحال ہوئی اور اسلامی سلطنت کے مستحکم ہونے کی وجہ سے لوگوں کے اجتماعات وغیرہ کا سلسلہ شروع ہوا تو پھر شاعری کی طرف توجہ ہوئی۔ لیکن اس وقت تک پرانی شاعری کا بہت سا حصہ ضائع ہو چکا تھا۔ اموی دور اور اس عباسی دور کے ابتدائی سالوں میں بھی عربی شاعری کے بعض راوی مشہور ہوئے جن میں سے زیادہ مشہور حماد اور خلف الأحمر ہیں۔ لیکن اِن کے شاعری کو مذاق بنانے اور من گھڑت اشعار بنا بنا کر شاعروں کی طرف منسوب کرنے کے قصے اس کثرت سے مشہور ہیں کہ اِن راویوں کے قریب کے دور میں ہی ناقدین یہ کہنے لگ پڑے کہ زمانہ جاہلیت کی طرف منسوب شاعری اور خصوصاً عربی شاعری کے سات مشہور قصیدے زمانہ جاہلیت کے ہیں ہی نہیں بلکہ بعد میں ان راویوں کے گھڑے ہوئے ہیں۔ زمانہ جاہلیت کی شاعری پر یہ تنقید (خصوصاً سات قصائد پر) سب سے پہلے اُبو جعفر النحاس متوفی ۳۳۸ ھجری نے کی اس کے بعد متاخرین میں جرمن مستشرق نولڈکی اور ایک فرانسیسی پروفیسر کلے مین ھیار نے بھی اسی نظریہ کی تائید کی۔ عربی کے جدید اُدبا میں سے ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اپنی کتاب (فی الأدب الجاھلی) میں اس نظریہ کو تفصیل کے ساتھ بڑی شدومد کے ساتھ پیش کیا ہے اور اس نظریہ کے حق میں قدیم عربی زبان اور اُس دور کے رسم و رواج وغیرہ کو پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ زمانہ جاہلیت کی طرف منسوب شاعری اس قدیم زبان اور قدیم رسم و رواج کے اظہار سے عاری ہے اس لئے یہ اس دور کی شاعری نہیں ہو سکتی۔ لیکن بعض شعراء کے بعض نمونوں کا تسلسل کے ساتھ احادیث کی اہم کتب میں مذکور ہونا یہ بتاتا ہے کہ جاہلیت کی شاعری کے بعض حصے تو محفوظ حالت میں رہے اور اگر بعض حصے گھڑ بھی لئے گئے ہوں تو یہ بھی بعید از عقل نہیں کیونکہ جب احادیث گھڑنے کے شائقین نے کئی کئی ہزار احادیث گھڑ لیں تو جاہلیت کی شاعری کی طرف منسوب بعض شعر گھڑنے تو راویوں کے لئے نہایت ہی آسان امر رہا ہوگا۔ لیکن یہ کہنا بالکل درست نہیں کہ زمانہ جاہلیت کی طرف منسوب تمام کی تمام شاعری بعد کے دور کی ہے۔

جاہلیت کے قصائد میں سے صحیح ترین وہ انچاس (۴۹) قصائد ہیں جو ابوزید قرشی نے اپنی مشہور کتاب "جَمْھَرَۃُ اشعارِ العرب" میں جمع کئے ہیں۔ ان میں سے سب سے مشہور قصائد وہ سات قصائد ہیں جنہیں "سبع معلقات" یعنی سات لٹکائے ہوئے قصیدے کہتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ روایت ہے کہ یہ قصائد اپنی عمدگی کی وجہ سے عربوں میں وہ مقام پا گئے تھے کہ عربوں نے اپنی پسندیدگی اور ان قصائد کی عظمت کے اظہار کے لئے انہیں خانہ کعبہ پر لٹکایا ہوا تھا۔ ان قصائد اور ان قصائد کے شعراء اور ان کی اس شاعری کا تفصیلی تعارف انشاءاللہ اگلی قسط میں بیان ہوگا۔

صحت مند دانت صحت مند جسم

(ڈاکٹر مرزا بابر احمد عطا صاحب۔ ڈرگ کالونی۔ کراچی)

دانت بڑی نعمت ہیں لیکن پاکستان میں لوگوں کے دانتوں کی صحت خراب ہوتی جارہی ہے۔ خصوصاً بچوں میں دانتوں کی بیماریاں عام ہیں۔ اس کی وجہ دانتوں کی صفائی میں غفلت، شکر اور میٹھی چیزوں کے استعمال میں اضافہ اور غذائیت بخش اجزاء کیلشیم حیاتین اور معلومات کی کمی قابل ذکر ہیں۔

اس کے علاوہ دانتوں کے علاج کی سہولتوں کی کمی کا بھی اس میں بڑا دخل ہے۔ امریکہ دنیا کا امیر ترین ملک ہے جہاں میڈیکل کی سہولتیں بھی بہت عام ہیں لیکن دنیا کے اس امیر ترین ملک میں دانتوں کی خرابیاں بھی بہت عام ہیں۔ بکثرت گوشت اور مٹھاس کھانے کی وجہ سے خود اکثر امریکی دانتوں کے امراض کا شکار ہیں لیکن ۳۔۴ سال میں بہتر علاج اور صحت کا شعور عام ہونے کی وجہ سے یہ لوگ بروقت توجہ اور دانتوں کی صفائی اور صحت کے اصولوں پر عمل کر کے دانتوں کی خرابی سے محفوظ ہو رہے ہیں۔

دانتوں کی صفائی کے حوالے سے کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ

"دانت ہمیشہ کھانے کے بعد صاف کرنے چاہئیں"۔

دلیل وہ اس ضمن میں یہ دیتے ہیں کہ آپ برتن کو استعمال کرنے سے پہلے صاف کرتے ہیں یا بعد میں؟ ظاہر ہے کہ برتن استعمال ہونے کے بعد ہی گندا ہوتا ہے اور صفائی چاہتا ہے۔

بچوں میں دانتوں کی صفائی وغیرہ کا احساس ابتدائی عمر ہی میں پیدا کرنا بہت ضروری ہے۔ دیکھا یہی جاتا ہے کہ اس عمر میں اس کے عادی بچے بڑے ہو کر بھی اپنے دانتوں کا خوب خیال رکھتے ہیں وہ گویا شروع ہی سے اس کے عادی ہو جاتے ہیں۔ دانتوں کا کام خوراک کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کرنا ہے تاکہ نگلنے میں آسانی ہو اور معدے میں ہضم ہونے کا عمل جاری رہ سکے۔ اس لئے ضروری ہے کہ دانتوں کی صحیح حفاظت کے ساتھ ساتھ مسوڑھوں کی دیکھ بھال بھی ہو تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت تک ہمارے منہ میں رہ سکیں۔

قدرت نے دانتوں کی اس نازک ذمہ داری کے پیش نظر ان کی حفاظت کے ذرائع مہیا کر دیئے ہیں۔ دانتوں کی سطح پر ایک چکنا، شفاف اور مضبوط استر موجود ہے

یہ استر دانتوں کو بوسیدہ ہونے سے بچاتا ہے اور ہماری ذراسی کوشش سے صاف ہو جاتا ہے۔ دانتوں کو سہارا دینے اور ان کی درزوں کو بند رکھنے کے لئے قدرت نے مسوڑھے بنائے ہیں۔ اس طرح ایک فرد جس کے دانت اور مسوڑھے صحت مند ہوں اگر کھانا کھانے کے بعد کلی کر لے مسواک، برش یا انگلی کی مدد سے دانت صاف کر لے تو اس کے دانتوں اور مسوڑھوں پر لگے ہوئے غذائی ذرے آسانی سے صاف ہو جاتے ہیں لیکن جن لوگوں کے دانتوں کے درمیان خلا پیدا ہو جائے اور دانتوں اور مسوڑھوں میں سوراخ ہو گئے ہوں ان کے دانتوں میں غذا کے باقی حصے بہت گہرائی میں جا کر پھنس جاتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو ایسے غذائی ذروں کے دانتوں میں پھنس جانے کا احساس ہو جائے تو انہیں کسی نہ کسی طرح نکالے بغیر چین نہیں آتا اور اگر یہ ذرے بہت گہرائی میں چلے جائیں تو ان کی موجودگی کا احساس ہی نہیں ہو پاتا اور

پھر وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان میں سڑاند پیدا ہو جاتی ہے۔ جراثیم کی پرورش کے لئے بہترین ماحول میسر آ جاتا ہے اور دانتوں اور مسوڑھوں کی مختلف بیماریاں جنم لینے لگتی ہیں۔ دانتوں میں پھنسے ہوئے غذائی اجزاء کو نکالنے میں جو غلطی کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ خلال کو دو دانتوں کے درمیان آر پار گذار کر پھنسے ہوئے غذائی اجزاء کو نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس طرح دانت ڈھیلے ہو کر ہلنے لگتے ہیں اور دانتوں میں درز پیدا ہو کر مزید غذا پھنسنے کے مواقع پیدا ہو جاتے ہیں۔ کوشش یہ کرنی چاہیے کہ دانتوں میں پھنسے ہوئے غذائی حصے کو خلال کی نوک کی مدد سے باہر کھینچ لیا جائے یا دھاگے کی مدد سے نکال لیا جائے۔ خیال رکھنا چاہیے کہ خلال بہت نرم لکڑی کے بنے ہوں اور ان کی سطح چکنی ہو۔

بچوں کو دانتوں کے امراض سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ والدین اپنے بچوں کو ایسی چیزوں سے روکیں جن میں شکر اور دانتوں پر چپکنے والے اجزاء ہوتے ہیں کیونکہ ان اشیاء کے کھانے سے ان کے منہ میں بیکٹر یا خوب پھلتے پھولتے ہیں۔ ان میں سویٹس (مٹھائیاں) کولڈ ڈرنکس، شربت اور چوکلیٹس وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح نشاستے والی اشیاء بسکٹ، کیک، پیسٹری وغیرہ بھی بیکٹیریا کے دوست ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ بچوں کو شروع ہی سے ان کا عادی نہ بننے دیا جائے۔ لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ بچے میٹھی چیزیں بڑے شوق سے کھاتے ہیں اور ان سے انہیں روکنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے ماہرین والدین کو یہی مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو ایسی چیزیں دو کھانوں کے درمیان دینے کی بجائے کھانے کے فوری بعد دیں جس کے بعد برش ضرور کروائیں۔ اس طرح بیکٹر یا کو اپنا کام دکھانے کا موقع نہیں ملے گا۔ اس کے علاوہ بچوں کو فائدہ مند چیزیں مثلاً پنیر، تازہ پھل، گاجریں، کھیرا، ککڑی وغیرہ کھانے کی عادت ڈالی جائے۔ کیونکہ ان سے بیکٹر یا کے بننے کے امکانات کم رہتے ہیں۔ واقعی صحت مند جسم کا انحصار صحت مند دانتوں پر ہوتا ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ دانتوں کو باقاعدگی سے صاف کیا جائے اور اگر کوئی معمولی سی تکلیف بھی ہو جائے تو ڈاکٹر سے مشورہ کرنا چاہیے۔

☆☆☆

نتیجہ مقابلہ مضمون نویسی سہ ماہی دوم

اوّل: مکرم محمد شکر اللہ صاحب .... ڈسکہ

دوم: مکرم لقمان احمد شاد صاحب .... ربوہ،

سوم: مکرم شکیل احمد ناصر صاحب .... ربوہ

چہارم: مکرم عبد الہادی طارق صاحب .... ربوہ

پنجم: مکرم قیصر محمود صاحب .... ربوہ

ششم: مکرم منصور احمد مبشر صاحب ...... واہ کینٹ

ہشتم: مکرم مرزا عرفان قیصر صاحب .... ربوہ

ہفتم: مکرم ناصر شبیر صاحب .... ربوہ

نہم: مکرم محمد اکرام ناصر صاحب .... ربوہ

دہم: مکرم محمد انور شہزاد صاحب .... راجن پور

جنوری 2001ء تا جون 2001ء

روحانی خزائن کی ایک جلد مکمل پڑھنے والے خدام کے اسماء

ربوہ: 1- مکرم مسعود احمد صاحب صاحب، 2- مکرم ندیم احمد صاحب، 3- مکرم وجاہت احمد صاحب، 4- مکرم کاشف احمد قمر صاحب، 5- مکرم ڈاکٹر محمد عامر خان صاحب،

سمبڑیال: 6- مکرم شمیم احمد خان صاحب، 7- مکرم طاہر احمد ملک صاحب، 8- مکرم سید نعیم الحسن صاحب، 9- مکرم ملک مقصود احمد صاحب، 10- مکرم ملک کاشف الیاس صاحب

لاہور: 11- مکرم خالد منصور صاحب، 12- مکرم خالد مقصود صاحب

عرب کی حالت ظہور اسلام سے قبل

(مرتبہ: مکرم آصف احمد خان صاحب۔ ربوہ)

آنحضور کا عرب میں ظہور فرمانا اپنے اندر بے شمار حکمتیں رکھتا ہے۔ انسانی آنکھ تاریخ کی ورق گردانی کرتی ہوئی جب ظھر الفساد فی البر و البحر کی مصداق عرب کی سرزمین کو دیکھتی ہے تو روح کانپ جاتی ہے لیکن جب وہی آنکھ اس عرب کی ظہور اسلام کے بعد کایا پلٹتے ہوئے دیکھتی ہے تو دل ایمان اور عقیدت سے بھر جاتا ہے اور زبانوں پر درود و سلام جاری ہو جاتا ہے۔

اللّٰھم صل علی محمد و علی آلہ و بارک وسلم۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتب میں مختلف پہلوؤں سے عرب کے تاریخی حالات تفصیل سے بیان کئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ عرب جیسے ملک سے آنحضرت کا مبعوث ہونا حکمت سے خالی نہ تھا بلکہ آپ کی صداقت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔

اس آخری نور کا عرب سے ظاہر ہونا بھی خالی حکمت سے نہ تھا۔ عرب وہ بنی اسماعیل کی قوم تھی جو اسرائیل سے منقطع ہو کر حکمت الٰہی سے بیابان فاران میں ڈال دی گئی تھی اور فاران کے معنی ہیں دو فرار کرنے والے یعنی بھاگنے والے۔ پس جن کو خود حضرت ابراہیمؑ نے بنی اسرائیل سے علیحدہ کر دیا تھا۔ ان کا توریت کی شریعت میں کچھ حصہ نہیں رہا تھا۔ جیسا کہ لکھا ہے کہ وہ اسحاق کے ساتھ حصہ نہیں پائیں گے۔ پس تعلق والوں نے انہیں چھوڑ دیا اور کسی دوسرے سے ان کا تعلق اور رشتہ نہ تھا اور دوسرے تمام ملکوں میں کچھ کچھ رسوم عبادات اور احکام کی پائی جاتی تھیں جن سے پتہ لگتا ہے کہ کسی وقت ان کو نبیوں کی تعلیم پہنچی تھی۔ مگر صرف عرب کا ملک ہی ایک ایسا ملک تھا جو ان تعلیموں سے محض ناواقف تھا۔ اور تمام جہان سے پیچھے رہا ہوا تھا اس لئے آخر میں ان کی نوبت آئی۔ اور اس کی نبوت عام ٹھہری تا تمام ملکوں کو دوبارہ برکات کا حصہ دیوے اور جو غلطی پڑ گئی تھی اس کو نکال دے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۶۷)

عرب کے سیاسی حالات

اس کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:

یہ بات کسی سمجھدار پر مخفی نہیں ہوگی کہ آنحضرت ﷺ کا زاد بوم ایک محدود جزیرہ نما ملک ہے جس کو عرب کہتے ہیں جو دوسرے ملکوں سے ہمیشہ بے تعلق رہ کر گویا گوشۂ تنہائی میں پڑا رہا ہے۔

(سرمہ چشم آریہ روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۶۷ حاشیہ)

حضور ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "خسرو پرویز کے وقت میں اکثر حصہ عرب کا پایہ تخت ایران کے ماتحت تھا اور گو عرب کا ملک ایک ویرانہ سمجھ کر جس سے کچھ خراج حاصل نہیں ہو سکتا تھا چھوڑا گیا تھا مگر تاہم بگفتن وہ ملک اسی سلطنت کے ممالک محروسہ میں سے شمار کیا جاتا تھا لیکن سلطنت کی سیاست مدنی کا عرب پر کوئی دباؤ نہ تھا۔ اور نہ وہ اس سلطنت کے سیاسی قانون کی حفاظت کے نیچے زندگی بسر کرتے تھے بلکہ بالکل آزاد تھے۔ اور ایک جمہوری سلطنت کے رنگ میں ایک جماعت دوسروں پر امن اور عدل اپنی قوم میں قائم رکھنے کیلئے حکومت کرتی تھی جن میں سے بعض کی رائے کو سب سے زیادہ

نفاذ احکام میں عزت دی جاتی تھی اور ان کی ایک رائے کسی قدر جماعت کی رائے کے ہم پلہ بھی سمجھی جاتی تھی سو بدقسمتی سے کسریٰ کو اس اشتعال کا یہ بھی باعث ہوا کہ اس نے آنحضرت ﷺ کو اپنی رعایا میں سے ایک شخص سمجھا"۔

(ستارہ قیصریہ روحانی خزائن جلد ۱۵ حاشیہ صفحہ ۳۷۶)

عربوں کی اخلاقی اور مذہبی حالت

حضور اپنی کتاب سرمہ چشم آریہ میں فرماتے ہیں کہ:

اس ملک کا آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے بالکل وحشیانہ اور درندوں کی طرح زندگی بسر کرنا اور دین اور ایمان اور حق اللہ اور حق العباد سے بے خبر محض ہونا اور سینکڑوں برسوں سے بت پرستی و دیگر ناپاک خیالات میں ڈوبے چلے آنا اور عیاشی اور بدمستی اور شراب خواری اور قمار بازی وغیرہ فسق کے طریقوں میں انتہائی درجہ تک پہنچ جانا اور چوری اور قزاقی اور خون ریزی اور دختر کشی اور یتیموں کا مال کھا جانے اور بیگانہ حقوق دبا لینے اور کچھ گناہ نہ سمجھنا غرض ہر ایک طرح کی بری حالت اور ہر ایک نوع کا اندھیرا اور ہر قسم کی ظلمت و غفلت عام طور پر تمام عربوں کے دلوں پر چھائی ہوئی ہونا ایک ایسا واقعہ مشہور ہے کہ کوئی متعصب مخالف بھی بشرطیکہ کچھ واقفیت رکھتا ہو اس سے انکار نہیں کر سکتا۔

(سرمہ چشم آریہ روحانی خزائن جلد ۲ حاشیہ صفحہ ۷۷)

مرد جس قدر چاہتا تھا عورتیں کر لیتا تھا جب چاہتا تھا بلا عذر چھوڑ دیتا تھا۔ کینہ، حسد، بغض بہت بڑھا ہوا تھا بت پرستی سے کوئی گھر خالی نہ تھا اور مکہ گویا ایک بت پرستی کا تیرتھ بنا ہوا تھا۔

(چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۲۵۵)

عرب کے یہود اور عیسائی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عرب کے یہود اور عیسائیوں کے بھی حالات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں جن میں سے کچھ بیان کئے جاتے ہیں۔ فرمایا

حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے زمانہ میں یہودیوں کی یہ حالت تھی کہ مخلوق پرستی بدرجہ غایت اُن پر آ گئی تھی اور عقاید حقہ سے بہت دور جا پڑے تھے۔ یہاں تک کہ بعض ان کے ہندوؤں کی طرح تناسخ کے بھی قائل تھے اور بعض جزا سزا کے قطعاً منکر تھے اور بعض مجازات کو صرف دنیا میں محصور سمجھتے تھے۔ اور قیامت کے قائل نہ تھے اور بعض یونانیوں کے نقش قدم پر چل کر مادہ اور روحوں کو قدیم اور غیر مخلوق خیال کرتے تھے۔ اور بعض دہریوں کی طرح رُوح کو فانی سمجھتے تھے اور بعض کا فلسفیوں کی طرح یہ مذہب تھا کہ خدائے تعالیٰ رب العالمین اور مدبر بالارادہ نہیں ہے۔ غرض مجذوم کے بدن کی طرح تمام خیالات ان کے فاسد ہو گئے تھے اور خدائے تعالیٰ کی صفات کاملہ ربوبیت و رحمانیت و رحیمیت اور مالک یوم الدین ہونے پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے...... اور توریت کی تعلیم کو انہوں نے نہایت بدشکل چیز کی طرح بنا کر شرک اور بدی کی بدبو کو پھیلانا شروع کر رکھا تھا۔

(براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد ا صفحہ ۲۶۵۔۲۶۶)

غرض عرب کے مشرکوں کی طرح اس ملک کے اہل کتاب بھی جرائم پیشہ ہو گئے تھے۔ عیسائیوں نے تو کفارہ کے مسئلہ پر زور دے کر اور اس پر بھروسہ کر کے یہ سمجھ لیا تھا کہ ہم پر سب جرائم حلال ہیں اور یہودی کہتے تھے ہم ارتکاب جرائم کی وجہ سے صرف

چند روز دوزخ میں پڑیں گے اس سے زیادہ نہیں۔

(چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۲۴۲)

عرب میں بدیوں کے موجب......عیسائی!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک نہایت اہم نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ عرب کے مشرکین اور یہودیوں کو خراب کرنے والے دراصل عیسائی ہی تھے۔ اس کے متعلق فرمایا۔

اور جس قدر بدچلنی اور بداعمالی عربوں میں آئی وہ درحقیقت عربوں کی ذاتی فطرت کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ ایک نہایت ناپاک اور بدچلن قوم ان میں آباد ہوگئی اور ایک جھوٹے منصوبہ کفارہ پر بھروسہ کرکے ہر ایک گناہ کو شیر مادر کی طرح سمجھتی تھی اور مخلوق پرستی اور شراب خواری اور ہر یک قسم کی بدکاری کو بڑے زور کے ساتھ دنیا میں پھیلا رہی تھی اور اوّل درجہ کی کذاب اور دغاباز اور بدسرشت تھی بظاہر یہ فرق کرنا مشکل ہے کہ کیا اس زمانے میں فسق و فجور اور ہر ایک قسم کی بدچلنی میں یہودی بڑھے ہوئے تھے یا عیسائی نمبر اول پر تھے مگر ذرہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ درحقیقت عیسائی ہی ہر ایک بدکاری اور بدچلنی اور مشرکانہ عادات میں پیش دست تھے۔ کیونکہ یہودی لوگ متواتر ذلتوں اور کوفتوں سے کمزور ہو چکے تھے اور وہ شرارتیں جو ایک سفلہ آدمی اپنی طاقت اور دولت اور عروج قومی کو دیکھ کر کرسکتا ہے یا وہ بدچلنیاں جو کثرت دولت اور روپیہ پر موقوف ہیں ایسے نالائق کاموں کا یہودیوں کو کم موقعہ ملتا تھا مگر عیسائیوں کا ستارہ ترقی پر تھا اور نئی دولت اور نئی حکومت ہر وقت انگشت دے رہی تھی کہ وہ تمام لوازمات ان میں پائے جائیں جو بدی کے مؤیدات پیدا ہونے سے قدرتی طور پر ہمیشہ پائی جاتی ہیں پس یہی سبب ہے کہ اس زمانہ میں عیسائیوں کی بدچلنی اور ہر یک قسم کی بدکاری سب سے بڑھی ہوئی تھی۔

(نور القرآن روحانی خزائن جلد ۹ حاشیہ صفحہ ۳۴۱)

راہبوں کی حالت

عرب کے یہود اور عیسائی اگرچہ بہت بگڑے ہوئے تھے لیکن اُن میں کچھ راہب ایسے بھی تھے جو خدا سے ڈرنے والے تھے اور نیک اور عبادت گزار تھے بعض اُن میں سے صاحب الہام و کشوف بھی تھے حضرت مسیح موعودؑ نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا:

آنحضرت ﷺ کے ظہور کے وقت ہزاروں راہب ملہم اور اہل کشف تھے۔ اور نبی آخر الزمان کے قرب ظہور کی بشارت سنایا کرتے تھے.......... جب عیسائی مذہب بوجہ مخلوق پرستی کے مرگیا اور اس میں حقیقت اور نورانیت نہ رہی تو اس وقت کے یہود اس گناہ سے بری ہوگئے کہ وہ عیسائی کیوں نہیں ہوتے تب ان میں دوبارہ نورانیت پیدا ہوئی اور اکثر ان میں سے صاحب الہام اور صاحب کشف پیدا ہونے لگے اور ان کے راہبوں میں اچھے اچھے حالات کے لوگ تھے اور وہ ہمیشہ اس بات کا الہام پاتے تھے کہ نبی آخر الزمان اور امام دوران جلد پیدا ہوگا اور اسی وجہ سے بعض ربانی علماء خدا تعالیٰ سے الہام پا کر ملک عرب میں آ رہے تھے اور ان کے بچہ بچہ کو خبر تھی کہ عنقریب آسمان سے نیا سلسلہ قائم کیا جائے گا۔

(ضرورۃ الامام روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۴۷۵-۴۷۶)

عربوں میں کہانت

حضور اپنی تصنیف ضرورۃ الامام میں فرماتے ہیں:

یاد رہے کہ وہ کاہن جو عرب میں

آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے بکثرت تھے ان لوگوں کو بکثرت شیطانی الہام ہوتے تھے اور بعض وقت وہ پیشگوئیاں الہام کے ذریعہ سے کیا کرتے تھے اور تعجب یہ کہ اُن کی پیشگوئیاں سچی بھی ہوتی تھیں۔ چنانچہ اسلامی کتابیں ان قصوں سے بھری پڑی ہیں۔

(ضرورۃ الامام روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۴۸۸)

اور عرب کے لوگ کاہنوں کے ایسے تابع تھے جیسا کہ ایک مرید مرشد کا تابع ہوتا ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۱۰۷)

پس یہ تھا حال اس عرب کا جس میں نبیوں کے سردار حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے۔ اور خدا تعالیٰ کی سنت بھی یہی ہے کہ نبی ہمیشہ ایسے ہی ملکوں اور زمانوں میں مبعوث ہوا کرتے ہیں جہاں تاریکی بہت زیادہ ہو اور نبی اس جگہ کو اپنی نورانیت اور تاثیر قدسی سے پاک صاف کر کے منور کر دیتے ہیں اور یہ نبی کی صداقت کی دلیل ہوا کرتی ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔

سچا ہونا ان کا تو اس بات سے ثابت ہے کہ اُس عام ضلالت کے زمانے میں قانون قدرت ایک سچے ہادی کا متقاضی تھا اور سنت الہیہ ایک رہبر صادق کی مقتضی تھی کیونکہ قانون قدیم حضرت رب العالمین کا یہی ہے کہ جب دنیا میں کسی نوع کی شدت اور صعوبت اپنے انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو رحمت الٰہی اس کے دُور کرنے کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ جیسے جب امساک باراں سے غایت درجہ کا قحط پڑ کر خلقت کا کام تمام ہونے لگتا ہے تو آخر خداوند کریم بارش کر دیتا ہے اور جب وبا سے لاکھوں آدمی مرنے لگتے ہیں تو کوئی صورت اصلاح ہوا کی نکل آتی ہے یا کوئی دوا ہی پیدا ہو جاتی ہے۔

(براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۱۱۳۔ حاشیہ)

غزل

شوقِ منزل کچھ نہیں ہے کاروانِ حسن میں
عشق زندہ ہے اگر تو لامکانِ حسن میں

صد مبارک خاک سے لپٹے ہوئے اہلِ جبیں
زر سے لکھا جائے گا تو آسمانِ حسن میں

چشمِ دانش کی صدائے بے بسی کچھ یوں اٹھی
تھک چکی ہوں گھومتی تیرے جہانِ حسن میں

ہر طرف پھیلا ہوا بحر تلطف اور لوگ
کیا مری بھی کچھ جگہ ہے آستانِ حسن میں

پھر کوئی مسند نشیں ہوگا ہمارے شہر میں
پھول کاٹے جائیں گے پھر گلستانِ حسن میں

اب بھی ہے نظّارۂ صحرائے بطحا ہر طرف
اب بھی ہیں قربان چہرے داستانِ حسن میں

(مقبول احمد ظفر)

احمدی احباب کی اپنی دوکان

ہمارے یہاں بیٹری ڈائینمو اور جنریٹر کا کام

تسلی بخش اور بارعایت کیا جاتا ہے

رضا بیٹری سروس

مین روڈ سکرنڈ ضلع نوابشاہ

ہمارے یہاں ٹیوب ویل اور ہر قسم کے انجن اور موٹرز اور اُن کے پرزہ جات نہایت مناسب قیمت پر دستیاب ہیں۔ بورنگ وغیرہ کا کام تسلی بخش طور پر کیا جاتا ہے۔

بشیر ڈیپ ویل سروس

مین روڈ سکرنڈ
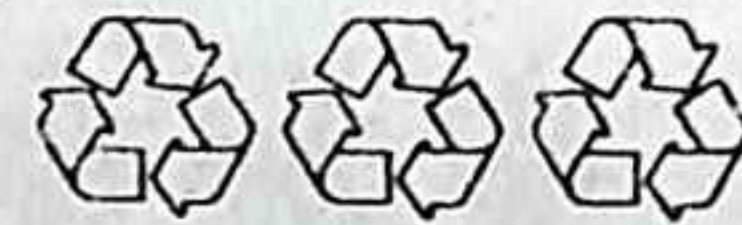
سونے کے اعلیٰ اور جدید ڈیزائن دستیاب ہیں

العمران جیولرز

الطاف مارکیٹ۔ کاٹھیاں والا بازار۔ سیالکوٹ

پروپرائٹر: عمران مقصود

فون دوکان 594674 فون گھر: 553738 موبائل: 0300-9610532

حضرت صاحبزادی امۃ الحکیم بیگم صاحبہ کی وفات پر

حضور انور کا ارشاد

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حضرت صاحبزادی امۃ الحکیم بیگم صاحبہ کا خطبہ جمعہ فرمودہ 20 جولائی 2001ء میں ذکرِ خیر کرتے ہوئے فرمایا:-

”غریبوں سے بہت ہمدرد تھیں۔ مستجاب الدعوات اور صاحبِ رؤیا و کشوف...... غریبوں اور مساکین کی باقاعدہ سرپرستی کرتی تھیں۔ بہت سے غریب ان سے استفادہ کرتے تھے۔ غربت کی حالت میں زندگی بسر کی مگر جتنی بھی توفیق تھی۔ اپنے غریبوں پر ضرور خرچ کرتی تھیں۔ زندگی میں فقیری اور درویشی نمایاں تھی۔ دوسروں کا دُکھ دیکھ کر تڑپ اُٹھتیں اور پھر مسلسل ان کے لئے دعاؤں میں لگی رہتیں......“

MONTHLY

KHALID

REGD. CPL#139
C. NAGAR

EDITOR
Isfand Yar Muneeb

SEPTEMBER 2001